اسلام کا بنیادی عقیدہ
توحید خالص

THE Fundamentals of Tawheed
(ISLAMIC MONOTHEISM)

مصنفہ
جناب ابوامینہ بلال فلپس

ترجمہ
ابن احمد نقوی

الکتاب انٹرنیشنل
جامعہ نگر، نئی دھلی ۱۱۰۰۲۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اسلام کا بنیادی عقیدہ
توحید خالص

مصنفہ

جناب ابوامینہ بلال فلپس

ترجمہ

ابن احمد نقوی

الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

نام کتاب : اسلام کا بنیادی عقیدہ
توحید خالص
نام مصنف : جناب ابوامینہ بلال فلپس
ترجمہ : ابن احمد نقوی
تعداد : گیارہ سو
قیمت : =/75 روپے
ناشر : الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی/-۲۵

ملنے کے پتے:

۱۔ مکتبہ ترجمان اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶
۲۔ مکتبہ مسلم بربرشاہ، سرینگر، کشمیر
۳۔ دارالمعارف محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئی
۴۔ الاثر اسلامک سینٹر، حیدرآباد
۵۔ مکتبہ معاذ پتھرگٹی، حیدرآباد
۶۔ عقیدہ بکڈپو پٹنہ، بہار

مصنف کی سوانح

ابو امینہ بلال فلپس اگرچہ جمائیکا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی پرورش وپرداخت کینیڈا میں ہوئی جہاں انہوں نے ۱۹۷۲ء میں اسلام قبول کیا۔ مدینہ منورہ میں انہوں نے عربی میں ڈپلومہ حاصل کیا اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بی۔اے اور ۱۹۸۵ء میں ریاض یونیورسٹی سے اسلامی دینیات میں ماسٹر آف آرٹس (ایم۔اے) کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۷ء تک وہ منارۃ اسکول میں جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکول کی سطح پر اسلامیات کے معلم کے طور پر کام کرتے رہے۔ اس وقت وہ یونیورسٹی آف ویلز میں مطالعات اسلامی کے ڈاکٹورل پروگرام سے منسلک ہیں۔ ان کی مطبوعات میں جنات پر ابن تیمیہ کے مضامین کا ترجمہ، مسودات میں عربی خطاطی، خمینی ایک معتدل یا انتہا پسند شیعہ، شیعوں کو شیطان کا بہکاوا، ایران میں سراب اور اسلام میں تعدد ازدواج نامی کتاب کے بھی شریک مصنف ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کے اعدادی معجزے فریب اور بدعت، مذہب کا ارتقاء، تفسیر سورۃ الحجرات، انصار کا مسلک، توحید کے بنیادی اصول، حج اور عمرہ (کتاب وسنت کے مطابق) اسلامی مطالعات (حصہ اول) اور توبہ کے ذریعہ مغفرت وغیرہ شامل ہیں۔

فہرست

☆☆☆

عرض ناشر

اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں: کلمہ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ایمان کی بنیاد کلمہ توحید ہے۔ یعنی جب تک کوئی شخص کلمہ توحید پر ایمان نہ لائے (اللہ تعالیٰ کی وحدت اور معبود حقیقی ہونے کا زبان اور دل سے اقرار کرنا) اس وقت تک نہ تو وہ صاحب ایمان (مسلمان) ہوسکتا ہے اور نہ دیگر ارکان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہل قرار پاسکتا ہے۔ اس لئے کہ کلمہ توحید ہی ایمان کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور جب تک بنیاد مضبوط و مستحکم نہ ہو اس پر عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں نے اس مرکزی اور بنیادی نکتہ کو فراموش کردیا ہے وہ شعائر دین کی پابندی تو کرتے ہیں تاہم توحید خالص پر ان کا ایمان و یقین راسخ نہیں ہوتا۔ صوفیا، اولیاء، مرشدین، بزرگان دین وغیرہ وغیرہ کی عقیدت میں غلو کرتے ہیں، انہیں صاحب کرامت مانتے ہیں، ان کی قبروں پر حاضری کو سعادت سمجھتے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر انہیں حاجت روا بھی سمجھنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب باتیں اسلام کے مرکزی اور بنیادی عقیدہ توحید کو مجروح کرتی ہیں اور ایمان کے خوشنما دامن پر شرک کے بدنما داغ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

ہندوستان میں مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے سب سے پہلے تقویۃ الایمان لکھ کر عقیدہ توحید پر ایک معرکۃ الآرا کتاب پیش کی۔ یہ کتاب بقامت کہتر بقیمت بہتر کے مصداق ہے۔ اس نے مسلمانان برصغیر کو توحید خالص سے آشنا کرایا۔ مسلمان رسمی و موروثی عقائد کو چھوڑ کر کتاب و سنت کی تعلیمات پر کاربند ہوئے اور دین خالص سے وابستگی کا شعور بیدار ہوا۔ الحمدللہ آج برصغیر (ہندو پاکستان و بنگلہ دیش) میں سلفی یا اہل حدیث مسلمانوں کی تعداد کروڑوں میں ہے جو صرف کتاب و سنت کو ہی دین کا معیار سمجھتے

ہیں اور شرک و بدعات نیز تقلید شخصی کو سختی سے مسترد کرتے ہیں۔

جیسا کہ مصنف کتاب جناب ابو امینہ بلال فلپس نے پیش لفظ میں تحریر فرمایا ہے انگریزی میں توحید کے موضوع پر بہت کم لٹریچر دستیاب ہے اور اس سے بہت سے قاری اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ (دیگر مذاہب کی طرح) اسلام میں بھی توحید کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ اسی کے پیش نظر انہوں نے یہ انگریزی کتاب The Fundamentals of Tauheed (توحید کے بنیادی اصول) تصنیف کی۔

جیسا کہ قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ کتاب اپنے موضوع پر جامع ہے انداز بیان سلیس اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا ہے۔ مصنف توحید کے موضوع پر ہر پہلو کو زیر بحث لائے ہیں اور قرآن وحدیث کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ توحید کا مفہوم اور معانی کو کس طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ آج کے دور میں جبکہ فساد عقیدہ نے مسلمانوں کو اصل اسلام اور توحید خالص کے تصور سے بہت دور کر دیا ہے یہ کتاب چراغ ہدایت ثابت ہوگی۔

کتاب کی افادیت و اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے الکتاب انٹرنیشنل نے اس کا اردو ترجمہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ اردو داں قاری بھی اس بیش قیمت کتاب سے استفادہ کر سکیں۔ اور عقیدہ توحید کے بارے میں تفصیل سے جان سکیں۔

الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر نئی دہلی ہندوستان میں دینی خصوصاً سلفی عقائد کی کتب کی اشاعت کا ایک اہم مرکز ہے۔ اردو، ہندی، انگریزی، عربی کی اہم کتابیں یہاں دستیاب ہیں۔ سلفی علماء اہل علم کی کتابیں بطور خاص ہم شائع کرتے ہیں تا کہ توحید خالص کا شعور بیدار کرنے اور مسلک کتاب وسنت کی ترویج و اشاعت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم اپنا فرض ادا کر سکیں۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے محسنین یعنی باذوق قاری ان کتابوں کی خریداری کے ذریعہ ہماری سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین خالص کی ترویج و اشاعت میں مزید سرگرم ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) کہ ایک مومن کی زندگی کا مقصد اول دین خالص کی

اشاعت اور کتاب وسنت کی تبلیغ ہی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ دینی حلقوں میں یہ اہم اور مفید کتاب قبول عام حاصل کرے گی۔ وہ حضرات جو توحید کے موضوع پر ایک ہمہ گیر کتاب کے متلاشی ہیں ان کے لئے یہ تصنیف خصوصی تحفہ ثابت ہوگی۔

والسلام
سید شوکت سلیم
پروپرائٹر الکتاب انٹرنیشنل
مرادی روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

پیش لفظ

اس بات سے سب واقف ہیں کہ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے جسے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ میں بہت مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ ہی واحد اور صادق معبود ہے اور وہی اس کا حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق یہی کلمہ ایمان اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔ اسی اصول یعنی توحید کے مدنظر اسلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں وحدانی (توحید) عقیدہ رکھتا ہے اور دنیا کے دیگر مذاہب یعنی یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ توحید پرست ادیان میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اسلام کے عقیدہ توحید کی روشنی میں عیسائیت شرک کا ارتکاب کرتی ہے جبکہ یہودیت میں ایک قسم کی اصنام پرستی درآتی ہے۔

توحید کا اصول بہت وسیع و عمیق ہے اور مسلمانوں کے لئے بھی اس کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مسلمان جیسے ابن عربی [1] نے توحید کی یہ تعبیر پیش کی کہ کائنات میں صرف اللہ کی ذات ہے اور ہر شئی میں اللہ کا جلوہ ہے (وحدۃ الوجود) لیکن اسلام اس نظریہ (وحدۃ الوجود) کو رد کرتا ہے اور اسے کفر قرار دیتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں جیسے معتزلہ نے [2] اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کا انکار کیا اور

۱- محمد ابن علی ابن عربی ۱۱۶۵ء میں اسپین میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۰ء میں دمشق میں وفات پائی ان کا دعویٰ تھا کہ وہ نور باطن کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا علم رکھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خاتم الصوفیا کہتے تھے۔ مظہر طور پر ان کے نزدیک یہ مقام رسالت سے بھی بلند تھا۔ ان کی وفات کے چند صدیوں بعد ان کے معتقدین نے انہیں مرشد قرار دے کر شیخ اکبر کا لقب عطا کیا لیکن مسلم فقہا کی اکثریت انہیں بدعتی قرار دیتی ہے ان کی یادگار تصانیف الفتوحات المکیہ اور فصوص الحکم ہیں (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۲- یہ عقلیت پر مبنی فلسفہ کا مکتب فکر تھا جو اموی عہد (آٹھویں صدی عیسوی کی ابتداء) میں واصل ابن عطا اور عمرو بن عبید نے قائم کیا۔ عباسی دور خلافت میں اسے فروغ حاصل ہوا اور ایک صدی تک یہ ذہنوں پر حاوی رہا اور ۱۲ ویں صدی عیسوی تک اس کے اثرات باقی رہے۔ (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

یہ نظریہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر شئے میں موجود ہے لیکن اسلام کی صحیح تعلیمات پر عامل علماء نے اس نظریہ کو بھی مسترد کر دیا اور اسے بدعت قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریباً تمام مسالک بدعت جو اسلام کی بنیادی تعلیم توحید سے منحرف ہوئے (خیر القرون سے آج تک) ان تمام فرقوں نے اسلام کی بیخ کنی ور پیروان اسلام کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام کے عقیدہ توحید کو بے اثر کرنے کی کوشش کی کیونکہ یہی نکتہ (توحید) اس پیغام کا اصل جوہر ہے جو جملہ انبیاء کے ذریعہ آسمانوں سے نازل کیا گیا۔ ان مسالک نے اللہ کے بارے میں ایسے نظریات پیش کئے ہیں جو اسلام کی تعلیم سے یکسر مختلف ہیں اور انسان کو اللہ سے دور لے جاتے ہیں۔ جب انسان ان بت پرستانہ نظریات سے متاثر ہوتا ہے تو پھر وہ دیگر بہت سے ایسے نظریات کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جو اللہ واحد کی عبادت کے نام پر مخلوق کی عبادت کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تلقین فرمائی کہ وہ ایسے عقائد و نظریات سے ہوشیار رہیں جن کی وجہ سے ان سے پہلے کی قومیں گمراہی میں مبتلا ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ مسلمان اس راستہ (سنت) پر سختی سے کاربند رہیں جو ان کا راستہ ہے۔ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی پھر اسی کے متوازی کئی دیگر لکیریں (سطور) کھینچیں صحابہ نے عرض کیا کہ اس سے کیا مراد ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک سیدھی لکیر (صراط مستقیم) ہے اور دوسری لکیریں گمراہی کی راہ پر لے جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر گمراہی کی راہ کے سرے پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتا ہے۔ پھر سیدھی لکیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔ جب صحابہ کرام نے مزید وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری راہ ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

سَبِیْلِهٖ. (الانعام۱۵۳)
یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اسی راہ کی پیروی کرو، دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ تم اللہ کے راستے سے دور ہو جاؤ گے۔

لہٰذا یہ بات بے حد اہمیت کی حامل ہے کہ توحید کے معنی اور مفہوم کو اسی نہج اور انداز میں سمجھا جائے جیسا کہ حضرت سول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھایا ہے ورنہ وہ اسلام کے شعائر وارکان نماز، روزہ، حج زکوٰۃ پر ایمان وعمل کے باوجود دوسرے راستوں پر چل کر صراط مستقیم سے بھٹک جائے گا جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (یوسف:۱۰۶)
ان میں سے بہت سے اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ لوگ مشرک ہیں۔

جب انگریزی کا کوئی قاری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے بارے میں انگریزی میں دستیاب لٹریچر کو پڑھتا ہے اور توحید کے عنوان چند رسالے یا پمفلٹ اس کی نظر سے گزرتے ہیں تو لامحالہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اسلام میں توحید کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی اس وقت اور بھی گہری ہو جاتی ہے جب قاری اسلام پر مستند اور مبسوط تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان میں توحید پر تو ایک صفحہ یا نصف صفحہ کا مواد ہوتا ہے جبکہ ساری ضخیم کتاب اسلام کے دیگر بنیادی ستونوں کی تشریح وتوضیح کے لئے وقف ہوتی ہے حالانکہ توحید اسلام کا بنیادی اور مرکزی ستون ہے جس پر دیگر تمام ستون ٹکے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص توحید کے عقیدے میں پختہ نہیں ہے تو اس کے دیگر تمام ارکان وشعائر کی ادائیگی ایک رسم بن کر رہ جائیگی اور وہ محض ایک مظاہر پرست کی طرح ہو جائے گا۔ اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ توحید کے موضوع پر مزید تراجم پیش کئے جائیں تا کہ اس خلا کو پر کیا جا سکے جو اس عنوان پر لٹریچر نہ ہونے کے سبب پیدا ہو گیا ہے۔ نیز توحید کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم حضرات کے ان فاسد عقائد وخیالات کی اصلاح کی

جا سکے جو آج کل عام طور پر پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ کتاب انگریزی لٹریچر کے قارئین کی خدمت میں اسلام کے عقیدہ توحید کے بنیادی تجزیے پر ایک حقیری پیشکش کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں قدیم عربی متن کو جو توحید کے موضوع پر دستیاب ہے بنیاد بنایا گیا ہے۔ مثلاً عقیدۃ الطحاویۃ (ابن ابی العز الحنفی شرح عقیدۃ الطحاویۃ بیروت) میں نے شعوری طور پر دینیات کے موضوع پر ان بحثوں سے گریز کیا ہے جو قدیم عربی کتب میں موجود ہیں کیونکہ جدید دور کے انگریزی زبان کے قارئین کے لئے ان کی کوئی معنویت نہیں ہے۔

اس کتاب کا بیشتر مواد میں نے توحید کے موضوع پر ان اسباق سے اخذ کیا ہے جو میں منارۃ الریاض انگلش میڈیم اسلامک اسکول کے درجہ ہفتم سے درجہ یازدہم کے طلبہ کو پڑھاتا رہا ہوں۔ لہٰذا زبان بہت سادہ ہے۔ ان میں سے متعدد اسباق نیز فقہ، حدیث اور تفسیر کے موضوعات پر دیگر اسباق امریکہ اور ویسٹ انڈیز کے مسلمانوں میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ قارئین کے مثبت ردعمل اور اس قسم کے لٹریچر کے مطالبہ کو دیکھتے ہوئے توحید کے سابق کے مراجعہ اور شیرازہ بندی اور مزید متعلقہ موضوعات کا اضافہ کر کے میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور قارئین کو اس سے استفادہ کی توفیق دے۔ کیونکہ یہ صرف اللہ کی توفیق اور قبولیت ہے جو کام آتی ہے اور اصل کامیابی اللہ کی رضا اور عطا سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

ابو امینہ بلال فلپس

ریاض سعودی عربیہ

رمضان ۱۹۸۲ء

(بعض سماجی و اقتصادی اسباب کی وجہ سے میں یہ کتاب ۱۹۸۹ء سے پہلے شائع نہیں کر سکا تاہم مسودہ کو اشاعت کے لئے تیار کرنے کے دوران اس میں مزید اضافہ و اصلاح کا موقع بھی ملا۔ اس سے انشاء اللہ کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگا)

باب (۱)

توحید کے اقسام

توحید کے لغوی معنی وحدت کے ہیں یعنی وحدت کا اعلان کرنا، یہ عربی لفظ وحد سے مشتق ہے جس کا مفہوم ہے متحد کرنا، اتحاد، اجتماع [1]۔ (ملا کر ایک کر دینا) لیکن جب یہ اصطلاح اللہ تعالیٰ کے حوالے سے استعمال کی جاتی ہے تو اس کا مطلب توحید [2] اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت کو تسلیم کرنا اور اس پر استقامت ہوتا ہے۔ یعنی انسان کے ان تمام امور میں توحید کے تصور اور احساس کو برقرار رکھنا جن کا بالواسطہ تعلق ذات باری سے ہے۔ یہ ربوبیت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی ذات واحد یا اس کے اختیارات اور دائرہ عمل میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وحدت جس میں نہ کوئی اس کا ثانی ہے نہ اس جیسی صفات کا حامل ہے (توحید اسماء وصفات) توحید الوہیت وعبادہ یعنی نہ کوئی اس کا مقابل ہے نہ عبادت میں کوئی اس کا شریک ہو سکتا ہے۔ یہ تین پہلو ہیں جن سے توحید کی اقسام مرتب ہوتی ہیں اور ان ہی تینوں پر عقیدہ توحید کا انحصار ہے۔ یہ تینوں اقسام ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایک قسم کو بھی چھوڑ دے تو اس کا عقیدہ توحید کامل نہیں رہے گا۔ عقیدہ توحید کی ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دینے کو شرک کہا جائے گا یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا و راسلامی اصطلاح میں یہ بت پرستی کے مترادف ہے توحید کی ان تینوں اقسام کے لئے مندرجہ ذیل اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔

۱- جدید عربی ڈکشنری از جے ایم کراون۔

۲- توحید کا لفظ قرآن عظیم یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا (۹ ہجری) تو ارشاد فرمایا تم عیسائیوں اور یہودیوں (اہل کتاب) کی طرف جا رہے ہو۔ تو پہلا کام جو تمہیں کرنا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں توحید کی دعوت دو (یوحد اللہ) اسے بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

١-توحید الربوبیت	یعنی وحدت حاکیت باری تعالیٰ

٢-توحید الاسماء والصفات	اسماوصفات میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی۔

٣-توحید العبادہ	اللہ تعالیٰ کا ہی مستحق عبادت ہونا۔

توحید کی یہ تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان للہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے نہیں کی کیونکہ اس وقت اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کے اس قسم کے تجزیہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ تاہم توحید کی یہ تینوں اقسام بنیادی طور پر قرآن عظیم کی آیات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور روایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں مل جاتی ہیں۔آئندہ صفحات میں ان اقسام کی تشریح کے تحت اس کی وضاحت کی جائے گی۔ جب اسلام مصر بازنطین، ایران اور ہندوستان میں پہنچا اور یہاں کے لوگوں کے افکار وعقائد اس میں داخل ہونے لگے تب توحید کی یہ اقسام واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ ایک بالکل فطری امر تھا کہ جب ان ممالک کے لوگ اسلام لائے تو اپنے سابقہ مذہب کے بعض عقائد بھی ساتھ لائے۔ جب ان نو مسلم عالموں نے ذات خداوندی کے بارے میں مختلف فلسفیانہ تصورات پر بحث وتحریر کا آغاز کیا تو اس سے اسلام کے روشن اور خالص عقیدہ توحید کو خطرہ درپیش ہوا۔ بعض ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا لیکن بباطن وہ اندر رہ کر مذہب کی تخریب میں کوشاں تھے کیونکہ وہ طاقت کے زور پر اسلام کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طائفہ نے ذات الٰہی کے بارے میں عوام میں فاسد عقائد کی تبلیغ شروع کی اور اس طرح اسلام اور ایمان کے اولین رکن کو مجروح کرنے اور اسلام کو شدید نقصان پہنچانے کی سعی نامسعود کی۔

مورخین اسلام کی تصریحات کے مطابق پہلا شخص جس نے انسان کے مختار ہونے کا اور تقدیر کا انکار کیا وہ ایک عراقی عیسائی نومسلم سا سن نامی تھا۔ سا سن بعد کو مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا لیکن اس سے پہلے وہ اپنے شاگرد معبد ابن خالد الجہنی بصری کے ذہن کو مسموم کر چکا تھا۔ معبد اپنے استاد کے خیالات وعقائد کی تبلیغ کرتا رہا یہاں تک کہ اموی خلیفہ عبدالملک بن

مروان (۷۰۵-۶۸۵) کے حکم سے ۷۰۰ء میں اسے سولی دیدی گئی [۱] نوعمر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر (وفات ۶۹۴ء) اور عبداللہ بن ابی عوف (وفات ۷۰۵ء) لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ ان لوگوں کو جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں سلام نہ کریں نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں یعنی وہ انہیں کافر سمجھتے تھے۔ [۲]

لیکن انسان کے مختار ہونے کی بابت نصرانی فلسفہ کے دلائل کو نئے موید ملتے رہے۔ غیلان بن مسلم دمشقی جو معبد کا شاگرد تھا اور عقیدہ جبر و اختیار کی تبلیغ کرتا تھا اسے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس نے سر عام اپنے عقائد سے توبہ کی لیکن خلیفہ راشد کی وفات کے بعد اس نے پھر اپنے عقیدہ (انسان کا مختار ہونا) کی تبلیغ شروع کر دی۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک (۷۴۳-۷۲۴ء) جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا اس نے اسے گرفتار کرایا اس پر مقدمہ چلایا گیا اور سزائے موت دیدی گئی۔ اس سلسلے کی ایک اور نمایاں اور متنازعہ شخصیت الجعد بن درہم کی تھی جو عقیدہ اختیار کی تبلیغ کرتا تھا اس نے صفات باری سے متعلق قرآنی آیات کی افلاطونی فلسفہ کے مطابق تفسیر و تعبیر کرنے کی کوشش بھی کی۔ ایک زمانے میں الجعد اموی شہزادے مروان بن محمد کا اتالیق بھی رہا جو اموی خاندان کا چودھواں خلیفہ (۷۵۰-۷۴۴) بنا۔ دمشق میں اپنے ایک خطاب کے دوران اس نے علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کی بعض صفات مثلاً سمیع و بصیر وغیرہ کا انکار کیا [۳] بالآخر اموی گورنر نے اسے شہر بدر کر دیا یہاں سے وہ کوفہ چلا گیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ کرتا رہا۔ وہاں بھی اس کے متعدد شاگرد پیدا ہو گئے تب اموی گورنر خالد بن عبداللہ نے ۷۳۶ء میں اسے سر عام سولی پر لٹکا دیا۔ تاہم جہم ابن صفوان جو اس کا ممتاز شاگرد تھا ترمذ اور بلخ کے حلقہ فلاسفہ میں اس کے نظریات کا دفاع کرتا رہا۔ جب اس کے

۱- ابن حجر تہذیب التہذیب۔

۲- عبدالقادر بن طاہر بغدادی الفرق بین الفروق۔

۳- محمد بن عبدالکریم شہرستانی الملل والنحل

۴- احمد بن حنبل الرد علی الجہمیہ۔

ملحدانہ افکار کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہونے لگی تو اموی گورنر نصر بن سیار نے ۷۴۳ء میں اسے موت کی سزا دی۔ صدر اول کے خلفاء اور گورنر اسلام کے اصولوں سے قریب تر تھے اور عوام میں بھی دینی شعور زیادہ بیدار تھا کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین ان کے درمیان موجود تھے۔ چنانچہ واضح مبتدعانہ نظریات کے انسداد کے مطالبہ پر حکمرانوں کی طرف سے فوری اقدام کیا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین اموی خلفاء زیادہ بداطوار تھے اور ان مذہبی امور کے بارے میں حساس نہیں تھے۔ عوام میں بھی پہلا جیسا دینی شعور باقی نہیں رہ گیا تھا اور وہ ایسے لادینی نظریات کو برداشت کر لیتے تھے کیونکہ لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے اور مغلوب اقوام کے علمی افکار و نظریات کا دخل اسلامی معاشرہ میں بڑھ رہا تھا اس لئے ملحدین کو سزائے موت دیئے جانے کے باوجود مبتدعانہ نظریات کا طوفان رک نہیں پا رہا تھا۔ لہٰذا ان ملحدانہ افکار و نظریات کی مزاحمت کا بار اس دور کے مسلم علماء کے کاندھوں پر آیا جنھوں نے اس چیلنج کا فکری اور علمی انداز سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے مختلف خارجی فلسفہ اور مکاتب فکر کا رد کیا اور قرآن و سنت سے اصولوں کا استنباط کر کے ان نظریات کا ابطال کیا۔ اسی دفاعی فکر کی ایک شاخ کے طور پر علم توحید کا اس کی باضابطہ تشریحات و اقسام و اجزاء کے ساتھ فروغ ہوا۔ تخصص کا یہ عمل علوم اسلامی کے دیگر شعبوں میں بھی بیک وقت شروع ہوا جیسا کہ عصری علوم کے مختلف شعبوں میں ایسا ہی عمل ہوا ہے۔ لہٰذا توحید کی اقسام کا مطالعہ علیحدہ اور زیادہ دقتِ نظر سے کیا جاتا ہے۔ یہ بات فراموش نہیں کی جانی چاہئے کہ یہ سب ایک بنیادی کل کے اجزاء ہیں جو کہ ایک عظیم تر کل یعنی خود اسلام کی بنیاد ہے۔

توحید الربوبیہ:

توحید کی اس قسم کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ جب کائنات میں کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق کی وہ اپنی تمام مخلوقات کی پرورش کرتا ہے اور وہ ان میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے وہ کائنات اور مخلوق کا مختار کل ہے اور اس کے اختیارات کا کوئی مزاحم نہیں

ہے نہ اس کی حکمرانی کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ عربی زبان میں خالق و رازق کی ان صفات کی تعبیر و تشریح کے لئے ربوبیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی اصل رب (آقا) ہے اس زمرہ (قسم) کے مطابق کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اصل خالق و مالک ہے اسی نے جملہ اشیاء کو حرکت و تغیر کی صلاحیت عطا کی ہے، کوئی تخلیق وجود میں نہیں آتی جب تک کہ اس کی رضا اس میں شامل نہ ہو۔ اس حقیقت کے اعتراف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کیا کرتے تھے۔

ربوبیت کے تصور کی بنیاد قرآن عظیم کی متعدد آیات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (الزمر ۶۲-۳۹)

اللہ نے ہی تمام چیزوں کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

واللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ. (الصفات: ۹۶-۳۷)

اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمام افعال جو تم کرتے ہو۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (سورۃ الانفال: ۱۷-۸)

یہ مٹی پھینکنے والے تم نہیں تھے بلکہ یہ اللہ تھا جس نے پھینکی۔ [۱]

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. (التغابن: ۱۱-۶۴)

کوئی بھی مصیبت اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں آتی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزید وضاحت فرمائی۔

اگر تمام بنی نوع انسان تمہارے حق میں کچھ کرنے کے لئے مجتمع ہو جائیں تب بھی وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے اسی طرح اگر تمام بنی نوع انسان تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے یکجا ہو جائیں تب بھی وہ اس سے زیادہ کچھ بھی تمہارے خلاف نہیں کر سکیں گے جو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر

۱- یہ واقعہ غزوہ بدر کے دوران پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں کچھ مٹی لے کر کفار کی طرف پھینکی اگرچہ دشمن کافی فاصلے پر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے ان (کفار) کے چہرے غبار آلود کر دیئے۔

میں لکھ دیا ہے۔

پس انسان جسے خوش قسمتی یا بد قسمتی قرار دیتا ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس کی تقدیر میں لکھ دی ہیں اور اپنے وقت پر ظہور میں آتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے مقدر کر دیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَـٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ. (التغابن: ۱۴-۶۴)

اے ایمان والو! تمہاری ازواج و اولاد میں تمہارے دشمن موجود ہیں پس تم ان سے خبردار رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیات دنیوی کی بعض اچھی چیزیں بھی اللہ کی طرف سے آزمائش کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح بعض المناک اور روح فرسا حوادث بھی ایک نوع کی آزمائش ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّـٰبِرِينَ. (البقرہ: ۱۵۵-۲)

یقیناً ہم تمہیں مالی جانی اور پیداوار کا نقصان دے کر خوف اور قحط میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ پس بشارت ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔

کبھی مثالیں واضح ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علت و معلول کا تعلق۔ کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا جیسا کہ بعض اوقات برائیوں سے بظاہر بہتر نتائج حاصل ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات صحیح قدم سے بھی غلط نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان بظاہر بے ضابطگیوں کے پیچھے جو اسرار کام کر رہے ہیں انسانی عقل اپنی محدود صلاحیت کے سبب ان کے فوری ادراک سے قاصر رہتی ہے۔

وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (البقرہ: ۲۱۶-۲)

۱- ترمذی میں اسے ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے۔

تمہیں بعض چیزیں اچھی نہیں لگتی ہیں حالانکہ ان میں تمہارے لئے خیر (بھلائی) ہے۔ بعض چیزیں تمہیں اچھی لگتی ہیں جبکہ ان میں تمہارے لئے شر ہے۔ اللہ اسے جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

بظاہر انسانی زندگی میں بعض انتہائی تکلیف دہ حوادث پیش آتے ہیں لیکن نتیجہ کے اعتبار سے وہ بہت ہی مفید معلوم ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ چیزیں انسان جن کا طلب گار ہوتا ہے وہ اس کے لئے نقصان دہ بن جاتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر ان مسائل میں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس کا دائرہ فکر ان پسندیدہ افعال و اشیاء میں جو اس کے سامنے ہوں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی نظر اس پسندیدگی کے اصل عواقب تک نہیں پہنچ پاتی۔ بالفاظ دیگر انسان منصوبے بناتا ہے اور قدرت انہیں معطل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی طرح خوش قسمتی یا بدقسمتی کے نام پر پیش آنے والے احوال و حوادث بھی سب اللہ رب العزت کی طرف سے ہی صادر ہوتے ہیں ان میں علامتوں جادو، ٹونے، ٹوٹکے مبارک اعداد شگون مثلاً: تیرہویں تاریخ کا جمعہ، آئینہ ٹوٹ جانا، کالی بلی کا راستہ کاٹنا وغیرہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا درحقیقت شگون، تعویذ گنڈوں وغیرہ میں عقیدہ رکھنا شرک کی علامت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عقبہ سے روایت ہے کہ ایک بار کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نو (۹) افراد کی بیعت قبول کر لی لیکن دسویں شخص کی بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے تعویذ پہن رکھا ہے۔ اس نے فوراً تعویذ اتار کر اسے چاک کر دیا تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تعویذ پہنا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ (مسند احمد)

جہاں تک قرآنی آیات کو بطور تعویذ یا گنڈہ استعمال کرنا، کپڑے میں لپیٹ کر یا نازک

سی زنجیر میں آویزاں کر کے پہننے کا تعلق ہے تا کہ برکت حاصل ہو اور حادثات سے حفاظت رہے تو اس قسم کے اعمال و عقائد اور مشرکین عرب کے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبھی قرآنی آیات کا اس انداز سے استعمال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس کا حصہ نہیں ہے تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔ (یہ حضرت عائشہ کی روایت ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد نے نقل کیا ہے) یہ صحیح ہے کہ سورہ الناس اور سورہ الفلق جادو کا اثر زائل کرنے کے لئے نازل کی گئی تھیں۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استعمال کا صحیح طریقہ بھی بتا دیا۔ ایک موقعہ پر جب ان پر سحر کا اثر تھا آپ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تلاوت کریں اور جب آپ خود بیمار ہوئے تو ان ہی سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ (حضرت عائشہ سے مروی ہے جسے بخاری مسلم نے نقل کیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کو لکھ کر انہیں نہیں دیا کہ وہ گلے میں لٹکائیں بازو یا کلائی پر باندھیں یا کمر کے گرد پہن لیں۔

توحید الاسماء والصفات: (اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی وحدت)

توحید کی اس قسم کے پانچ اہم پہلو ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی وحدت پر ایمان ہونا۔ اللہ کو اسی طور سے پکارا جائے جیسا کہ خود اللہ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات کو ان کے ظاہری معنی کے سوا اور کوئی مفہوم نہیں دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کفار و مشرکین سے ناخوش ہے۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (الفتح ۶ – ۴۸)

اللہ تعالیٰ مشرک اور منافق مرد اور عورتوں کو عذاب دے گا جو اس کے بارے میں سوءظن رکھتے ہیں۔ شر کا دائرہ ان پر محیط ہے۔ اللہ ان سے ناراض ہے ان پر لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے بہت برا انجام ہے۔

اس طرح غضب (ناراضگی) بھی اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غضب سے مراد عذاب ہونا چاہئے کیونکہ غصہ انسان میں کمزوری کی علامت سمجھا جاتا ہے لہٰذا یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اسے اسی طرح تسلیم کرنا چاہئے اس شرط کے ساتھ کہ اس کا غصہ انسانی غصہ کی مانند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کوئی شئ اس کے مثل نہیں ہے: لیس کمثلہ شیء (الشوریٰ ۱۱-۴۲)

اگر نام نہاد عقلیت پسندوں (ریشنلسٹ) کی تعبیر کو اس کے منطقی انجام تک لے جایا جائے تو یہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود کو حیّ (زندہ) کہا ہے اور انسان بھی زندہ رہتا ہے پس عقلیت پسندوں کے استدلال کے مطابق اللہ تعالیٰ نہ زندہ ہے نہ باقی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور انسانی صفات کے درمیان جو مماثلت ہے وہ محض نام کی حد تک ہے درجہ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر آئے تو انہیں ان کے مطلق مفہوم میں سمجھا جانا چاہئے جو انسانی کمزوریوں سے مبرا و منزہ ہیں۔

۲- توحید الاسماء والصفات کا دوسرا پہلو، اللہ کو اس طریقہ سے پکارنا ہے جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں کہا ہے، اس میں نئے معنی اور مفہوم یا نام کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کو الغاصب (غصہ کرنے والا) نہیں کہنا چاہئے حالانکہ خود اللہ نے فرمایا کہ اسے غصہ آتا ہے نہ اللہ تعالیٰ نے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسم استعمال کیا ہے۔ یہ بظاہر ایک لطیف نکتہ معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کی غلط تعبیر سے بچنے کے لئے اسے مدنظر رکھنا چاہئے یعنی فانی انسان اللہ حیّ و قیوم اور خالق اکبر کے اوصاف کی مکمل تعبیر و تشریح نہیں کر سکتا۔

۳-توحید الاسماء والصفات کے تیسرے زمرے کے تحت اللہ تعالیٰ کو اس کی تخلیقی صفات کے حوالے کے بغیر پکارا جائے۔ مثلاً: تورات ورانجیل میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چھ دن تخلیق کائنات میں گزارے پھر ساتویں دن وہ سوگیا اس کام سے فارغ ہوا ۱ جسے وہ کر چکا تھا۔ اسی لئے یہودی اور نصرانی سبت یا اتوار کے دن کو یوم تعطیل قرار دیتے ہیں اور اس دن کام کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی صفت سے متصف کرنا ہے یہ انسان کی خاصیت ہے کہ وہ مشقت کے کام سے تھک جاتا ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ تازہ دم ہو سکے۔ ۲

ایک اور جگہ تورات اوانجیل میں خدا کو اپنے غلط خیالات پر پشیمان ہوتے دکھایا گیا ہے۔ ۳

جیسا کہ انسان جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ پشیمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ روح ہے یا اس میں روح ہے یہ عقیدۂ توحید کے اس پہلو کو پوری طرح برباد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں کہیں بھی خود کو روح سے تعبیر نہیں کیا ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے اس نوع کی کوئی بات ثابت ہوتی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی تخلیق کا حصہ قرار دیا ہے۔ ۴

اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اصول اپنایا جائے وہ یہ ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ

۱- پیدائش ۲-۲) اور ساتویں دن خدا نے اپنا وہ کام پورا کر لیا جسے وہ کر رہا تھا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ انجیل مقدس، نظر ثانی شدہ ایڈیشن)

۲- اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لا تاخذه سنة ولا نوم. البقرہ۔ نہ اسے تکان لاحق ہوتی ہے نہ وہ سوتا ہے۔

۳- خروج ۲۲ اور جب خدا کو اس برائی کا خیال آیا جو وہ اپنے بندوں سے کرنے والا تھا تو وہ پشیمان ہو۔ (انجیل مقدس نظر ثانی شدہ ایڈیشن)

۴- اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسریٰ ۸۲-۱۷) وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا فرمان ہے۔

شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (الشوریٰ ۱۱-۴۲)
کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

سماعت و بصارت کا تعلق انسانی صفات سے بھی ہے لیکن جب ذات باری کے تعلق سے ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے تو ان کے کمال کو کسی دوسرے کی صفت کے مماثل نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب انسان کی قوت بصارت و سماعت کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے ساتھ آنکھ اور کان کا وجود بھی لازمی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ خالق کے بارے میں انسان جو کچھ تھوڑا بہت جانتا ہے وہ محض اتنا ہی ہے جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بتلایا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنے علم کے اسی محدود دائرہ کے اندر رہنا چاہیے۔ جب صفات کے تعلق سے انسان اپنی عقل کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے تو وہ خالق کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مترادف قرار دے کر گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خدا کو تمثیلی طور پر پیش کرنے کے شوق میں عیسائیوں نے تصویروں، تراشی ہوئی مورتوں کے ذریعہ انسانی شکل و صورت جیسی لاتعداد تصاویر اور مجسمے بنا ڈالے اور انہیں وہ خدا کی تمثیل قرار دیتے ہیں۔ اسی سے عیسائی عوام میں عیسیٰ مسیح کی الوہیت کے عقیدہ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ جب انہوں نے خالق کو انسانی شکل میں بطور عقیدہ تسلیم کر لیا پھر عیسیٰ کو خدا تسلیم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

۴۔ توحید الاسماء والصفات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ انسان کو صفات خداوندی کا حامل نہ گروانا جائے۔ مثال کے طور پر عہد نامہ جدید (انجیل) میں پال نے تورات سے شاہ سالم میلینی زیدک کا کردار لے کر اسے اور عیسیٰ مسیح کو صفات الٰہی کا حامل قرار دیا ہے جن کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ شاہ سالم، خدائے عظیم کے ربی ابراہام سے ملا اس نے اسے برکت دی اور ابراہام نے ہر چیز میں سے دسواں حصہ اسے عطا کیا۔ اپنے نام کی تعبیر سے وہ اول ہے نیکوکاروں کا بادشاہ اور پھر وہ سالم کا بادشاہ بھی ہے۔ یعنی امن کا بادشاہ اس کے نہ باپ ہے نہ ماں نہ اس کا کوئی شجرہ ہے اور نہ اس کے دن کا آغاز ہے اور نہ زیست کا

انجام لیکن خداوند کے فرزند کی شباہت سے وہ سدا کا کاہن رہے گا۔

۵۔یسوع نے خود کو کاہن نہیں بنایا لیکن اس نے اسے کاہن بنایا جس نے اس سے کہا کہ تو میرا فرزند ہے۔ آج میں نے تجھے پیدا کیا۔ ۶۔جیسا کہ وہ ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے ماسکی زیدک کے حکم کے بعد تو سدا کے لئے کاہن رہے گا۔

شیعوں کے اکثر فرقے (یمن کے زیدیوں کو چھوڑ کر) اپنے ائمہ کو معصوم اور صفات سماوی کا حامل قرار دیتے ہیں (۲) ماضی و مستقبل کے احوال و واقعات اور غیب کا علم و تقدیر بدل دینے کی طاقت اور تخلیقی اجزاء پر کنٹرول۔ اس طرح وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیتے ہیں جنہیں صفات خداوندی حاصل ہیں اور جو درحقیقت خدا کے ساتھ خدا کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

۶۔اللہ کے اسماء کی وحدت کو لازم رکھنا، اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک واضح صورت میں مخلوق کو نہیں دئے جا سکتے جب تک ان کے ساتھ سابقہ نہ ہو۔ عبد کے معنی ہیں کسی کا غلام یا خادم۔ اللہ تعالیٰ کے متعدد نام اپنی غیر محدود شکل میں جیسے رؤف اور رحیم، رکھنا لوگوں کے لئے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کو اس غیر محدود شکل

محمد رضا المظفر اپنی کتاب شیعی اسلام کا عقیدہ (امریکہ برطانیہ عظمیٰ کا محمدی ٹرسٹ) ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول کی طرح امام بھی معصوم ہوتا ہے یعنی وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا نہ کوئی غلط کام کر سکتا ہے خواہ ظاہر میں ہو یا باطن میں اپنی پیدائش سے وفات تک شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ائمہ اسلام کے محافظ ہوتے ہیں اور یہ ان ہی کے زیر حفاظت ہے۔ (ص ۳۲)

نیز ملاحظہ ہو۔ اسلم، تہران، از سید سعید اختر رضوی مظفر مزید لکھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ الہام پانے کی ائمہ کی قوت انتہائی درجہ کمال کو پہنچی ہوتی ہے ہمارے عقیدہ کے مطابق انہیں یہ قدرت آسمانوں سے ملی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو کہیں بھی کسی وقت اور کسی بھی چیز کے بارے میں علم کی قدرت ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے مفوضہ قدرت کے تحت وہ بغیر کسی منہاجیاتی استدلال یا کسی معلم کی رہنمائی کے بغیر وہ بلا تاخیر اسے سمجھ سکتا ہے۔

خمینی کا قول ہے بلاشبہ امام کا مرتبہ بہت بلند ہے ایک عظیم مرتبہ تخلیقی خلافت اور تخلیق کے تمام اجزاء پر قدرت اور کمال۔ آیت اللہ موسوی الخمینی الحکومۃ الاسلامیہ مطبوعہ بیروت۔

میں اپنے رسول کے لئے استعمال کیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ ۱۲۸–۹)

تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے جو چیز تمہیں تکلیف پہنچائے وہ اس پر شاق گزرتی وہ تمہارے بارے میں بہت حساس ہے وہ ہمدردی ورحمت کا پیکر ہے۔

لیکن کسی شخص کو رؤف یا رحیم کہنا صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ اس کے ساتھ عبد کا لفظ شامل کیا جائے عبدالرؤف، عبدالرحیم کیونکہ اپنی اصلی شکل میں یہ صفاتی نام کمال کے اس درجہ کو ظاہر کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی مخصوص ہے۔

اسی طرح ایسے نام جن سے بندے کی نسبت عبدیت غیراللہ سے متعلق کی جاتی ہے مثلاً عبدالرسول عبدالنبی یا عبدالحسین وغیرہ بھی شرعاً ممنوع ہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ممانعت کی کہ وہ اپنے غلاموں کو عبدی (میرے غلام) یا امتی (میری کنیز) کہہ کر بلائیں۔

توحید العبادہ:

توحید کی پہلی دو اقسام کے وسیع مفہوم کے باوصف توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ان میں راسخ العقیدہ ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ توحید الربوبیہ اور توحید الاسماء والصفات کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ توحید العبادہ پر بھی کامل ایمان ہوتا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق توحید پر ایمان کامل ہو۔ اس نکتہ کو اس بات سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کو واضح کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مشرک (بت پرست) توحید کی پہلی دو اقسام کے متعدد پہلوؤں پر یقین رکھتے تھے۔

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت کی کہ وہ مشرکوں سے پوچھیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ. (یونس ۳۱-۱۰)

ان مشرکین سے پوچھئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق عطا کرتا ہے جو سماعت وبصارت کا مالک ہے جو بے جان شئے کو جان دار شئے سے نکالتا ہے اور جاندار شئے سے بے جان کو باہر لاتا ہے اور انسانوں کے امور کی تدبیر کرتا ہے پس وہ سب کہیں گے کہ اللہ۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (الزخرف: ۸۷-۴۳)

اگر ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (العنکبوت: ۶۳-۲۹)

اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے جس سے مردہ زمین دوبارہ جی اٹھتی ہے (تروتازہ وشاداب ہوجاتی ہے) تو یقیناً وہ کہیں گے کہ اللہ۔

تمام مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو خالق رازق اور مالک (رب) سمجھتے تھے لیکن اس علم اور عقیدہ کے باوجود وہ مسلمان نہیں سمجھے گئے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (یوسف: ۱۰۶-۱۲)

ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے اللہ کے بارے میں ان مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے ہمیں پیدا کیا وہی ہمیں رزق دیتا ہے اور وہی ہمیں موت دیتا ہے۔ لیکن ان کا یہ عقیدہ اللہ کے ساتھ معبودان باطل کی پرستش سے انہیں روک نہیں سکا۔ اور مذکورہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار ومشرکین اللہ کی حاکمیت اقتدار اور قوت کو جانتے اور مانتے تھے۔ درحقیقت وہ اخلاص کے ساتھ کئی طرح سے اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے۔ مثلاً: حج کرنا، قربانی کرنا، صدقہ کرنا، منت ماننا اور شدید اضطراب اور احتیاج کے وقت فریضہ عبادت بھی ادا کرتے تھے بلکہ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ وہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں

ان کے اس دعویٰ کے بارے میں یہ آیات قرآنی نازل ہوئی۔

مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (آل عمران: ۶۷-۳)

ابراہیم یہودی یا عیسائی نہیں تھے بلکہ وہ تو سچے مسلمان تھے وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

بعض مشرکین حشر ونشر حساب کتاب اور تقدیر الٰہی پر بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ جاہلیت کی شاعری میں اس کی متعدد مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں مثال کے طور پر زہیر کا یہ شعر:

یا تو اس میں تاخیر کردی گئی ہے اور یوم حساب کے لئے کتاب میں محفوظ کردیا گیا ہے یا عجلت کی گئی ہے اور انتظام لیا گیا ہے۔

(قصیدہ سلیمان بن عبدالوہاب تیسیر العزیز الحمید)

عنترہ کا ایک شعر ہے:

اے بابیل تم موت سے کہاں بھاگ سکو گے اگر رب السموات نے اسے مقدر کردیا ہے توحید اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں مشرکین مکہ کے علم کے باوجود اللہ رب العزت نے انہیں کافر ومشرک ہی قرار دیا کیونکہ انہوں نے عبادت میں اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنالیا تھا۔

لہٰذا عقیدہ توحید کا سب سے اہم حصہ توحید العبادہ ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ ہر عبادت کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہونی چاہئے کیونکہ وہی عبادت کا مستحق ہے اور وہی عبادت کرنے والوں کو ان کی عبادت کا صلہ عطا کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کسی وسیلہ یا سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ ہر عبادت اسی کے لئے مخصوص کی جائے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد بھی صرف یہی ہے اور تمام انبیا کی تعلیم وتبلیغ کا محور بھی یہی پیغام تھا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (الذاریات ۵۶-۵۱)

میں نے جن وانسان کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ج
(النحل: ۳۶-۱۶)

ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ان کا پیغام یہی تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (معبودان باطل) سے دور رہو۔

مقصد تخلیق کو مکمل طور پر سمجھ لینا انسان کی فطری صلاحیتوں سے ماورا ہے۔ انسان فانی اور محدود صلاحیتوں کی حامل مخلوق ہے وہ اس خالق کل کی قدرت و مقصد تخلیق کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا جو حی و قیوم ہے اور ازل و ابد سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے انسانی فطرت کا ایک جزو بنا دیا کہ وہ اسی کی عبادت کرے۔ اس نے آسمانی صحیفے نازل کئے اور انبیاء کو مبعوث فرمایا تا کہ وہ مقصد تخلیق کی اس طرح وضاحت کریں کہ انسانی عقل اسے سمجھ سکے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مقصد یہی تھا کہ اللہ کی عبادت کی جائے انبیاء کے پیغام کی اصل روح بھی یہی تھی کہ صرف اللہ واحد کی عبادت کرو۔ توحید العبادہ۔ لہٰذا شرک سب سے بڑا گناہ ہے یعنی اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا یا عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی غیر کو بھی شامل کرنا۔ سورہ فاتحہ جسے ہر مومن مرد عورت شب و روز میں سترہ مرتبہ پڑھتا ہے اس کی چوتھی آیت میں کہا گیا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کے طالب ہیں۔ اس کا صریح اور واضح مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی جائے جو انسان کی التجا و حاجات کو سنے اور اسے قبولیت عطا فرمائے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید العبادہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا اگر تم عبادت میں کچھ مانگو تو صرف اللہ سے مانگو اگر تم مدد مانگتے ہو تو بھی اللہ سے ہی مانگو۔ (یہ ابن عباس کی روایت ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے) وسیلہ

ا- مجاہد ابن جبیر المکی (۲۲-۷-۶۴۲) ابن عباس کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے"۔ کی تفسیر قرآن کو عبد الرحمن الطاہر نے مرتب کیا ہے اور دو جلدوں میں تفسیر مجاہد کے نام سے طبع ہوئی۔ (اسلام آباد مجمع البحوث)

یا سفارش کو باطل قرار دیتے ہوئے متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت قریب ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ. (البقرہ ۱۸۶-۲)

جب میرے بندے تم سے میری بابت سوال کریں (تو کہدو) کہ میں ان سے قریب ہوں ان کی دعاؤں کو سنتا ہوں جو بھی مجھے پکارتا ہے لہذا انہیں میری طرف رجوع ہونا چاہیے اور مجھ پر ایمان رکھنا چاہیے تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ. (ق ۱۶-۵۰)

ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کے نفس میں کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

توحید العبادہ کی تصدیق اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ شرک اور غیر اللہ سے شفاعت کی اقسام مفصل طور پر سامنے آجائیں اور اس کا معکوس رخ واضح ہو جائے۔ اگر کوئی شخص مزاروں پر جا کر دعا کرتا ہے تاکہ اسے برکت حاصل ہو یا اس کے مرحوم عزیزوں کو صاحب مزار کے وسیلہ سے رحمت و مغفرت کی امید ہو تو اس شخص نے شرک کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے عبادت (دعا) میں خالق کے ساتھ مخلوق کو بھی شریک کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد گرامی ہے کہ دعا عبادت ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ.

(الانبیاء ۶۶-۲۱)

کیا تم اللہ کے سوا غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ. (الاعراف: ۱۹۴-۷)

اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو وہ بھی تمہاری طرح بندے ہی ہیں۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نام نہاد اولیاء جنات یا فرشتوں سے دعا مانگتا ہے کہ وہ اس کی مدد کریں یا اللہ سے اس کے لئے مدد مانگیں تو یہ بھی شرک ہے شیخ عبد القادر جیلانی کو غوث الاعظم کہہ کر پکارنا عقیدہ توحید کی رو سے شرک ہے۔ غوث الاعظم کا مطلب سب سے بڑا سہارا دینے والا یا سب سے بڑا خطرات سے بچانے والا۔ ظاہر ہے یہ صفت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے وہی سب سے بڑا مددگار اور خطرات سے بچانے والا ہے جب کوئی مصیبت آتی ہے تو جاہل لوگ شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث اعظم کہہ کر مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ. (الانعام ۱۷:۶)

اگر اللہ کی مرضی سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سوائے اللہ کے کوئی دوسرا اس سے بچانے والا نہیں۔ قرآن عظیم بتاتا ہے جب مشرکین مکہ سے سوال کیا جاتا کہ وہ بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی. (الزمر ۳-۳۹)

ہم اس لئے ان کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کے وسیلہ سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔ مشرکین مکہ ان بتوں کو صرف وسیلہ قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کی اس روش پر بھی انہیں کافر قرار دیا وہ مسلمان جو اللہ کے سوا غیروں سے استمداد کے طالب ہوتے ہیں انہیں مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں اپنے عمل پر غور کرنا چاہیے۔

عیسائیوں نے طارسس کے ایک شخص ساؤل جو بعد کو سنٹ پال کے نام سے مشہور ہوا) کے زیر اثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے انحراف کیا انہوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو معبود بنالیا۔ عیسائیوں میں جو کیتھولک فرقہ ہے ان کے ہاں ہر موقعہ کے لئے سینٹ (اولیاء) موجود ہیں جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ یہ سینٹ دنیا کے احوال وامور پر براہ راست

اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیتھولک عیسائی اپنے پادریوں کو شفاعت کے لئے وسیلہ مانتے ہیں۔ ان کا فاسد عقیدہ یہ ہے کہ اپنے تجرد اور تقویٰ کے سبب یہ پادری اللہ سے قریب تر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی شفارش قبول کرے گا۔ اکثر شیعہ فرقے کے افراد نے ہفتہ کے دوران بعض دنوں یا دنوں کے چند گھنٹوں کو مخصوص کرلیا ہے اس دوران وہ علی فاطمہ حسن اور حسین سے دعائیں مانگتے ہیں یہ شفاعت کے بارے میں ان کا غلط عقیدہ ہے۔

اسلامی عقیدہ کے تحت عبادت صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جانوروں کی قربانی تک ہی محدود نہیں ہے اس میں محبت اعتقاد امید اور خوف وغیرہ کے جذبات بھی شامل ہیں اور شدت میں ان کے درجات بھی ہیں یہ تمام جذبات صرف اللہ تعالیٰ سے ہی وابستہ کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان احساسات وجذبات کا ذکر کیا ہے اور ان میں غلو کیخلاف متنبہ بھی کیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (البقرہ: ۱۶۵-۲)

ایسے لوگ بھی ہیں جو غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ ان سے ایسی محبت (عقیدت) کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرنی چاہئے۔ جو اہل ایمان ہیں اللہ سے ان کی محبت بہت شدید (زیادہ) ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

(التوبۃ: ۱۳-۹)

کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے بدعہدی کی اور رسول کو نکالنے کی سازش کی اور تم پر حملہ کرنے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اگر تم اہل ایمان ہو تو اللہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (المائدہ:۲۳-۵)

اگر تم مومن ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ (توکل) کرو کیونکہ عبادت کا مطلب اللہ کے حضور مکمل خود سپردگی اور اطاعت شعاری (تسلیم ورضا) ہے اور اللہ کو آخری شارع سمجھنا بھی ہے۔ لہٰذا وہ نظام قانون جو شریعت پر مبنی نہیں ہے وہ ایک طرح سے قانون شریعت سے انحراف ہے اور اس دنیاوی نظام قانون کو صحیح سمجھنا یہ بھی شرک کی ایک قسم ہی ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد باری ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ. (المائدہ: ۴۴-۵)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

ایک موقعہ پر صحابی رسول حضرت عدی بن حاتم نے جو (عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (التوبہ:۳۱)

ان لوگوں نے اللہ چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا رب بنا لیا ہے، انہوں نے عرض کیا بلاشبہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا وہ لوگ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال نہیں ٹھہراتے اور تم اسے قبول کرتے ہو اور وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور تم انہیں

عبدالقادر (۱۱۶۶-۱۰۷۷ء) فقہ حنبلی کے ایک مدرسہ میں صدر مدرس (پرنسپل) تھے اور بغداد کی ایک اباط سے بھی متعلق تھے۔ ان کے مواعظ وملفوظات الفتح الربانی کے نام سے قاہرہ (۱۳۰۲) میں شائع ہوئے جن میں انتہائی قدامت پرستی اور کچھ تصوف کے رنگ میں قرآن عظیم کا ترجمہ شامل ہے ابن عربی (ولادت ۱۱۶۵) نے انہیں اپنے وقت کا قطب قرار دیا اور کہا کہ وہ اس درجہ پر پہنچے ہوئے میں جو اللہ کے بعد سب سے بلند درجہ ہے۔ علی بن یوسف الشانوی (متوفی ۱۳۰۴ء) نے ایک کتاب بہجۃ الاسرار کے نام سے لکھی (مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۴ھ) اس میں بہت سی کرامات شیخ عبدالقادر سے منسوب کی گئی ہیں۔ تصوف کے سلسلہ قادریہ کی نسبت انہی سے ہے اور اس سے روحانی سلوک و مدارج بھی ان پر رجوع ہوتے ہیں۔ (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام صفحہ ۷-۲۰۵:۵-۲۰۲)

حرام سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح تم ان کی عبادت کرتے ہو۔[1]

لہٰذا توحید العبادہ کا یک اہم جزو خصوصاً ایسے ممالک میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں شریعت کے نفاذ سے متعلق ہے ان تمام نام نہاد مسلم اکثریتی ملکوں میں نظام شریعت کے از سر نو نفاذ کی ضرورت ہے جہاں سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظام کی قدروں کو برپا کیا جاتا ہے اور نظام شریعت یا تو بالکل مفقود ہے یا اسے صرف چند گوشوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ مسلم ممالک جہاں اسلامی نظام کتابوں میں تو موجود ہے لیکن عملاً وہاں سیکولر قوانین نافذ ہیں وہاں بھی قوانین شریعت کا نفاذ ہونا چاہئے کیونکہ یہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ مسلم ممالک میں شرعی قوانین کے بجائے غیر اسلامی قوانین کا نفاذ شرک ہے اور کفر کے دائرے میں آتا ہے جو اولی الامر ہیں انہیں نظام شرعی کے نفاذ کے اقدامات کرنے چاہئے اور جو اس کے خلاف زبان کھولنے کا حوصلہ رکھتے ہیں انہیں برملا اس کا اظہار کرنا چاہئے کہ کفر کو چھوڑ کر شریعت کو اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو بھی غیر اسلامی نظام حکومت کو ناپسند کرنا چاہئے اور اس سے بیزار رہنا چاہئے تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔

☆☆☆

---

[1] عیسائی پادریوں نے ایک سے زیادہ شادی کو اور چچیرے رشتہ داروں سے شادی کو حرام ٹھہرایا۔ رومن کیتھولک عقیدہ کے تحت پادریوں کے لئے شادی کرنا ممنوع ہے اور عام حالات میں طلاق کی اجازت بھی نہیں ہے۔
مسیحی کلیسا نے لحم، خنزیر، خون اور شراب کو حلال قرار دے دیا۔ بعض نے تصویر اور مجسمے بنا کر خدا کو انسانی شکل میں پیش کیا۔

باب (۲)

شرک کے اقسام

شرک کے اقسام کی تفصیل جانے بغیر توحید کا تصور پوری طرح واضح نہیں ہوسکتا۔ پچھلے باب میں ہم نے شرک کی متعدد اقسام کی تشریح کی اور مزید وضاحت کے لئے مثالیں بھی پیش کیں کہ شرک کس طرح عقیدہ توحید کو پامال کرتا ہے۔ اس باب میں خصوصی طور پر شرک کا جائزہ لیا جائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (النساء:۴۸-۴)

اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جن دیگر گناہوں کو وہ چاہے معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ شرک انسان کی تخلیق کے بنیادی مقصد کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے نزدیک یہ سب سے بڑا گناہ ہے جو ناقابل معافی ہے۔

شرک کے لغوی معنی شریک بنانا حصہ دار یا ساتھی بنانا ہیں لیکن اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے خواہ کسی شکل یا انداز میں ہو۔ ذیل میں شرک کا جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے وہ توحید کی تین وسیع اقسام کے تناظر میں ہے۔ لہٰذا ہم سب سے پہلے اس پر نظر ڈالیں گے کہ شرک توحید کی اقسام توحید ربوبیہ، توحید الاسماء والصفات اور توحید العبادہ کے دائرہ میں کس طرح داخل ہوتا ہے۔

توحید ربوبیت کے دائرے میں شرک:

شرک کی اس قسم سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا دیگر (غیر اللہ) بھی اس کے شریک مساوی یا تقریباً مساوی ہیں اور مخلوق پر اس کی طرح غلبہ رکھتے ہیں، یا یہ عقیدہ کہ مخلوق کا کوئی خالق و مالک ہی نہیں ہے۔ اکثر مذاہب شرک فی الربوبیت کے مرتکب

ہوئے ہیں جبکہ موخر الذکر عقیدہ فلاسفہ اور ان کے اختراع کردہ فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے۔

(الف) کسی کو اللہ کا شریک بنانا:

اس ذیلی زمرہ کے تحت یہ عقیدہ ہے کہ ایک سب سے اعلیٰ خالق و مالک ہے لیکن اسی کے ساتھ دیگر کم تر درجہ کے معبود (دیوتا) پریت فانی ارضی یا سماوی اشیاء یا قوتیں بھی ہیں۔ ان عقائد کو علماء توحید (ایک اللہ کا تصور) یا شرک (ایک سے زیادہ معبودوں کا عقیدہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلامی نظریہ کے مطابق یہ تمام دینی نظام شرک سے آلودہ ہیں ان میں صرف درجہ کا فرق ہے۔ یعنی کسی حد تک انہوں نے ادیان سماوی کو اپنے فاسد عقائد سے آلودہ کیا حالانکہ ان سب کی تعلیم توحید پر مبنی تھی۔

ہندو مذہب میں برہم کو سب سے برتر (حاکم مطلق) سمجھا جاتا ہے وہ روح میں سمایا ہوا، قادر مطلق نا قابل تغیر اور لا فانی ہے جو ہر غیر جسم مطلق، ہر شے کی ابتداء اور انتہا اسی سے ہے۔ جبکہ برہما اس کائنات کی تخلیق مجسم ہے جو دوسرے دیوتا ویشنو (حفاظت کرنے والا) اور شیوا (برباد کرنے والا) کے ساتھ مل کر ایک تثلیث بناتا ہے۔ (ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ازیلیجن ڈبلیو ایل ایسی) اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق، تعذیب اور صفت قیومیت کو دیگر دیوتاؤں سے منسوب کر کے ہندو مذہب میں شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

عیسائی عقیدہ اس پر مبنی ہے کہ خدائے واحد نے خود کو اقانیم ثلاثہ (باپ، بیٹا، یسوع مسیح) اور روح القدس میں ظاہر کیا۔ یہ تینوں اقنوم ایک وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں جو ایک ہی جوہر کا حصہ ہیں۔ (ڈکشنری آف ریلیجن ص ۳۳۷) پیغمبر یسوع مسیح کو الوہیت کے درجہ پر پہنچا دیا گیا، وہ خدا کے دائیں طرف بیٹھ کر دنیا کے امور کا فیصلہ کرتے ہیں۔ روح القدس جسے عبرانی بائبل میں وہ کردار بتایا گیا ہے جس کے ذریعہ خدا اپنی قدرت تخلیق کو بروئے کار کرتا ہے۔ نصرانی عقیدہ کے تحت وہ مقدس تثلیث کا ایک جزو (اقنوم) بن جاتا

ہے۔ پال نے روح القدس کو یسوع کی متبادل ذات بنا دیا جو عیسائیوں کی رہنما اور مددگار ہے جس نے پہلی بار پینی کاست کے دن خود کو ظاہر کیا۔ (ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن)
اس طرح عیسائیوں نے یسوع اور روح القدس کو خدا کے تمام کاموں میں اس کا شریک ٹھہرا کر شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کیا۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یسوع دنیا کے تمام امور میں فیصلے صادر کرتے ہیں اور روح القدس عیسائیوں کی رہبری اور مدد کرتا ہے۔

زرتشتی (پارسی) عقیدہ کے مطابق خدا آہورا مزدا خیر کا خالق ہے اور اس کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی پرستش کی جائے۔ آگ آہورا امزدا کی سات تخلیقات میں اسے ایک ہے اور اسے اس کا فرزند یا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کرتے ہیں کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ برائی تشدد اور موت کا خالق ایک دوسرا خدا انگرامینو ہے جسے وہ علامتی طور پر تاریکی سے ظاہر کرتے ہیں۔ (ڈکشنری آف ریلیجن)
مخلوق پر اللہ کی مطلق حکمرانی میں انہوں نے ایک شر کی قوت کو شریک کر دیا ہے اور اس شر کی منفی طاقت کو خدا کے درجے تک پہنچا دیا ہے کیونکہ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شر اور بدی کو اللہ سے منسوب نہ کرے۔

یروبا مذہب کے پیروکار مغربی افریقہ (خصوصاً نائجیریا) میں ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہیں اس میں ایک خدائے برتر اولوریس (olorius) رب السمٰوٰت، یا اولودومار (olodumare) کا تصور ہے لیکن یروبا مذہب کی جدید صورت یہ ہے کہ اس میں بکثرت اڑیشہ (orisha) کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس طرح یہ مذہب بھی مشرکانہ عقائد سے بھرا ہوا ہے۔ اس طرح دین یروبا کے پیرو صفات خداوندی کو دیگر معبودوں میں تقسیم کر کے شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ میں قبیلہ زلو کے افراد کے عقیدہ میں ایک خدا کا تصور موجود ہے۔ ان کلن کولو (un kalan kulo) یعنی قدیم، اول اور مقدس ترین۔ اس میں خدا کے لئے جو مخصوص نام ہیں ان میں نکوسی یفے زولو (Nkose yaphe zulu) رب

السموات)اور یوایم ویلنگ قنقی (U M Veling qanqe)(سب سے اول ظاہر ہونے والا) شامل ہیں۔ ان کے عقیدہ میں خالق برتر اور مذکر ہے جوارض، مؤنث کے ساتھ مل کر اس دنیا یعنی مخلوق کو وجود بخشتا ہے زولو عقیدہ کے مطابق رعدو برق (بادل گرجنا، بجلی چمکنا) افعال خداوندی سے منسوب ہیں جبکہ بیماریاں اور دیگر تکالیف ان کے اجداد جیسے اڈلوزی (İdlozi) یا ابافانسی Aba phansi جو زیر زمین ہیں) کے سبب ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یہ اجداد زندہ افراد کی حفاظت کرتے ہیں کھانا طلب کرتے ہیں قربانی اور رسوم کی ادائیگی سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر غفلت برتی جائے تو سزا دیتے ہیں اور جوتشیوں (In yanga) میں حلول کرتے ہیں۔ (ڈکشنری آف ریلیجن) اس لحاظ سے دیکھیں تو زولو عقیدہ میں شرک فی الربوبیت ہے جیسا کہ وہ دنیا اور بنی نوع انسان کی تخلیق کی بابت عقیدہ رکھتے ہیں اور نیکی اور بدی کو دیگر معبودوں (اجداد کی ارواح) سے منسوب کرتے ہیں۔

بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی شرک فی الربوبیت ہے کہ اولیاء وصالحین کی ارواح امور دنیاوی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کا یہ عمل جاری رہتا ہے ان مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صالحین کی ارواح، ان کی تمنائیں پوری کرسکتی ہیں مصائب کو ٹال سکتی ہیں او جو کوئی ان سے استمدا د کا طالب ہو وہ اس کی مدد کرتی ہیں۔ اس طرح قبر پرست انسانی ارواح سے وہ صفات و استطاعت منسوب کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ صوفیا میں رجال الغیب[1] کا عقیدہ بہت عام ہے اس میں سب سے اہم درجہ قطب کا ہے جس کے ذریعہ اس دنیا کے امور انجام پاتے ہیں۔

۱- اس کے لغوی معنی عالم غیب کے افراد ہے۔ صوفیا کے عقیدہ کے مطابق یہ دنیا اولیائے دافع کی برکتوں کے سہارے قائم ہے ان اولیا (بزرگ صوفیا) کا ایک تدریجی سلسلہ (ہائی آرکی) ہے جب ان میں سے کسی ایک کی وفات ہو جاتی ہے تو فوراً دوسرا اس کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور اس خلا کو پر کر دیتا ہے۔ (شارٹ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۵۸۲)

شرک سلبی (الحاد)

اس ضمنی قسم کا تعلق ان مختلف فلسفیانہ افکار اور نظریات سے ہے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر وجود حق تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جاتا ہے (الحاد) یا اس کے وجود کا انکار تو نہیں کیا جاتا لیکن جیسا کہ دراصل اس کا وجود ہے اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ (وحدت الوجود)

بعض قدیم مذاہب ایسے بھی ہیں جن کے عقیدہ میں خدا کا وجود نہیں ہے، ان مذاہب میں بدھ دھرم نمایاں ہے۔ یہ دھرم ہندو دھرم میں ایک اصلاحی تحریک کے طور پر ابھرا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں اسکا آغاز ہوا۔ جین دھرم بھی بدھ دھرم کا ہم عصر تھا، گوتم بدھ نے ذات پات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ قدیم ہندوستان میں اسے خاصا عروج حاصل ہوا اور تیسری صدی قبل مسیح میں یہ سرکاری مذہب بن گیا۔ لیکن انجام کار ہندو دھرم نے اسے اپنے وجود میں ضم کر لیا اور گوتم بدھ ہندو دھرم میں ایک اوتار بنا دیئے گئے۔ ہندوستان میں اس کا وجود ختم ہو گیا لیکن چین اور دیگر مشرقی اقوام میں اس کا غلبہ قائم رہا۔

گوتم بدھ کی وفات کے بعد بدھ دھرم دو مسالک میں تقسیم ہو گیا۔ اس کے ایک مسلک ہین یان (۲۵۰-۴۰۰ قبل مسیح) کی تشریحات کے مطابق خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہٰذا نجات کا انحصار فرد (انفرادی ریاضت) پر ہے۔ چنانچہ بدھ دھرم کے اس قدیم مسلک وعقیدہ کو بھی شرک فی الربوبیت کی ایک مثال قرار دیا جا سکتا ہے جس میں باری تعالیٰ کی برملا نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح جین مت کی تعلیمات میں جو وردھمان نے مرتب کیں خدا کا کوئی وجود نہیں ہے لیکن نجات یافتہ روحیں اسی قسم کا کوئی مقام حاصل کر لیتی ہیں وہ لافانی اور کمال معرفت کی حامل ہوتی ہیں۔ جین مت کے پیروکاران نجات یافتہ ارواح کو خدا کی طرح مانتے ہیں، ان کے نام پر مندر تعمیر کرتے ہیں اور ان کی مورتیوں سے اظہار عقیدت

کرتے ہیں۔(ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلی جن ص ۲۶۳-۲۶۲)

اسی کی ایک بہت پرانی مثال اس فرعون مصر کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ وجود حق تعالیٰ کا منکر تھا اور اس نے حضرت موسیٰ اور مصریوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ وہ یعنی فرعون مصر ہی تمام مخلوقات کا اصلی خالق و مالک ہے۔قرآن عظیم بتاتا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اگر تم میرے سوا کسی اور کو خدا مانو گے تو تمہیں قید کر دیا جائے گا۔مصریوں سے اس نے کہا کہ میں ہی تمہارا پروردگار سب سے اعلیٰ ہوں (انا ربکم الاعلیٰ)

انیسویں اور بیسویں صدی میں مغرب میں متعدد ایسے فلاسفر ظاہر ہوئے جنہوں نے خدا کے وجود کا انکار کیا اور ان کا یہ نظریہ فلسفہ وفات خداوندی سے موسوم کیا گیا۔ جرمن فلسفی فلپ میں لینڈر (۱۸۷۶-۱۸۴۱) نے اپنی اہم تصنیف فلسفہ، نجات (۱۸۷۶ء) میں لکھا کہ خدا کی موت سے دنیا کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا وحدانی اصول ہے جو دنیا کی تکثیر میں بکھر کر رہ گیا اور ایک ایسا اصول مسرت ہے جسے ان قوانین آلام و مصائب میں ممنوع قرار دیا گیا جو عالم انسانی پر غلبہ پا چکے ہیں۔(ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلی جن ص ۳۲۷) پروشیا (جرمنی) میں فریڈرک نطشے (۱۹۰۰-۱۸۴۴) نے بھی خدا کی موت کے نظریہ کی تائید کی اور کہا کہ خدا کا تصور انسان کے مضطرب ذہن کی اختراع کے سوا کچھ بھی نہیں۔اور یہ کہ موجودہ انسان مستقبل کے مافوق البشر کے درمیان ایک پل ہے۔ایضاً ص ۳۲۷)

بیسویں صدی کے فرانسیسی فلسفی جان پال سارترے کے نظریات میں خدا کی موت کے فلسفہ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔اس نے کہا کہ خدا کا وجود نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ایک قسم کا تضاد ہے اس کے بقول خدا کے وجود کا نظریہ ایک اختراع ہے جسے انسان اپنے خیالات کے مطابق تشکیل دیتا ہے۔

ڈارون (وفات ۱۸۸۲ء) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

انیسویں صدی کے فلسفیوں اور ماہرین علوم معاشرت میں اسے قبول عام حاصل ہوا کیونکہ اس میں سائنسی بنیاد پر خدا کے وجود کا انکار کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک مذہب نے مظاہر قدرت میں روح کے قدیم عقیدے سے ارتقا پا کر توحید کی شکل اختیار کی۔ اس دوران انسان ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے بندر سے موجودہ انسانی ہیئت میں آ گیا۔ اسی کے ساتھ انسان مفروضہ معاشرتی ارتقاء کے ساتھ ایک فرد کے درجہ سے گزر کر ایک قومی ریاست میں مجتمع ہو گیا۔ ارتقاء کے یہ جملہ مراحل ساتھ ساتھ طے ہوتے رہے۔

انہوں نے تخلیق کائنات سے وابستہ سوالات سے بچنے کی کوشش کی اور نظریہ تخلیق کا بھی انکار کیا۔ انہوں نے اللہ کی صفات جو ابتدا و انتہا سے ماورا ہیں، کا بھی انکار کیا اور انہیں اس مادہ سے منسوب کیا جو اس (اللہ تعالیٰ) نے پیدا کیا۔ موجودہ دور میں اس نظریہ کے علمبردار کارل مارکس کے پیروکار ہیں۔ اشتراکی اور سائنسداں، ان کا دعویٰ ہے کہ ایک متحرک مادہ ہر جاندار شئے کی بنیاد ہے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ خدا انسان کے تخیل کی اختراع ہے اسے حکمراں طبقہ نے ایجاد کیا تاکہ مظلوم اور دبے کچلے عوام کی توجہ ان کی بدحالی سے ہٹائی جائے اور اس طرح حکمرانوں کی خاندانی حکومت برقرار رہے۔

مسلمانوں میں اس انداز کے شرک کی ایک مثال ابن عربی جیسے متعدد صوفیا کا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ (وحدت الوجود) وہ اللہ تعالیٰ کے علیحدہ وجود کے منکر ہیں اور اس طرح عملاً وہ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ سترہویں صدی کے ایک ولندیزی یہودی فلسفی باروخ اسپنوزا نے بھی یہی نظریہ پیش کیا اس کا کہنا تھا کہ کائنات کے تمام اجزاء بشمول انسان کا مجموعہ ہی ذات خداوندی ہے۔

شرک فی الاسماء والصفات:

شرک کے اس زمرہ کے تحت مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ سے انسانی صفات منسوب کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو ان صفات سے نسبت دیتے ہیں جو اللہ کے لئے

مخصوص ہیں۔

وجود بشر کا شرک:

اس عقیدہ کے تحت شرک فی الاسماء والصفات کا انداز یہ ہے کہ خدا کو انسانی اور جانوروں کی شکل اور صفات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کو دیگر مخلوقات جانوروں وغیرہ پر برتری حاصل ہے اس لئے بت پرست عام طور پر خدا کو انسانی شکل میں ہی پیش کرتے ہیں۔ تصاویر، مجسموں اور تراشی ہوئی مورتوں کو انسانی اعضاء کے مماثل بنا کر خالق کو مخلوق کے پیکر میں تراشا جاتا ہے۔ مثال کے طور ہندو اور بدھ دھرم میں ایسے لاتعداد دیوتا ہیں جن کی شکل ایشیائی انسان جیسی ہوتی ہے۔ یہ لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں اور ان بتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ عہد حاضر کے عیسائی بھی یسوع کو خدا کا اوتار مانتے ہیں اس عقیدہ کے مطابق خالق کو مخلوق بنا دیا گیا اور یہ بھی شرک کی واضح مثال ہے۔ متعدد ایسے نام نہاد عظیم یوروپین مصور ہوئے ہیں جیسے مائیکل انجلو (وفات ۱۵۶۵ء) جنہوں نے خدا کی ایک بوڑھے برہنہ یوروپی انسان کی شکل میں تصویر بنائی جس کے سفید داڑھی اور لمبے لمبے بال ہیں۔ ویٹیکن کے سیستان کلیسا کی اندرونی سقف پر یہ نقاشی کی گئی ہے، عیسائی دنیا میں ان تصاویر کو انتہائی عقیدت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔

(ب) بتوں کو معبود بنانا:

شرک فی الاسماء والصفات کی یہ قسم ان مشرکین عرب کی مثال ہے جو اپنے بتوں کو اللہ کے اسماء اور صفات سے متصف کرتے تھے۔ ان کے تین بڑے بت تھے جنہیں وہ پوجتے تھے ان کے نام اللہ کے ناموں سے مستعار تھے الّات اس بت کا نام اللہ کے اسم الالہ اللہ سے ماخوذ تھا، العزیٰ اللہ کے نام عزیز سے اخذ کیا گیا تھا اور المنات اللہ کے نام المنان سے لیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک مقام یمامہ میں ایک جھوٹا نبی تھا جس نے اپنا نام رحمٰن رکھا تھا جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی نام ہے۔

شام میں شیعوں کا ایک فرقہ نصیریہ ہے جو اس عقیدے کے حامل ہیں کہ علیؓ ابن طالب اپنی ذات میں مظہر الٰہی تھے۔ یہ لوگ اللہ کی بہت سی صفات کو ان سے منسوب کرتے ہیں ان ہی میں ایک فرقہ اسماعیلیہ ہے جو آغا خانی کے نام سے معروف ہے۔ اس فرقہ کے عقیدہ کے مطابق آغا خاں (جو ان کا روحانی پیشوا ہوتا ہے) خدا کا اوتار ہے۔ لبنان کا دروزی فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ انسانوں کے درمیان اللہ کا آخری اوتار تھا۔

شرک فی الاسماء والصفات کے تحت صوفیاء مثلاً حلاج کے اس دعوی کو بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق میں رہتے ہوئے بھی اللہ کے وجود میں ضم ہو گئے تھے۔ اور اس طرح مخلوق ذات خداوندی کا مظہر بن گئی۔ عہد حاضر میں روحانیت کے دعویداروں میں شرلے میکلین اور جے زیڈ نائٹ وغیرہ ہیں جو اکثر اپنے بارے میں اور دیگر انسانوں کے بارے میں الوہیت کا ادعا کرتے ہیں۔ آئن اسٹین کا نظریہ اضافت جو اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے وہ بھی دراصل شرک فی الاسماء والصفات کی ایک صورت ہے۔ اس نظریہ کے مطابق قوت (انرجی) کی نہ تخلیق کی جا سکتی ہے نہ اسے فنا کیا جا سکتا ہے، یہ صرف مادہ میں تبدیل ہو جاتی ہے یا مادہ انرجی میں بدل جاتا ہے حالانکہ مادہ اور قوت دونوں ہی اللہ کی تخلیق ہیں اور فنا آشنا ہیں جیسا کہ اللہ نے واضح طور پر فرمایا ہے۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ. (الزمر ۶۲-۳۹)

اللہ ہر شئے کا خالق ہے اور ہر شئے کا نگہدار ہے۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (الرحمن) (اس دنیا کی ہر شئ فنا ہو جائے گی)

اس نظریہ کا یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ قوت اور مادہ دونوں لافانی ہیں اور ابتدا و انتہا سے ماورا، غیر مخلوق جو ایک دوسرے میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

ڈارون کا نظریہ ارتقا بھی یہ بات ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ زندگی کا ارتقا اور بے جان مادہ سے اسکا شکل پذیر ہونا اس میں خدا کی قوت تخلیق کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اس دور میں ڈارون کا سب سے ممتاز شارح سر ایلڈوس ہکسلے اس خیال کی توضیح یوں کرتا ہے۔

ڈارون کی تشریحات نے مباحثہ سے هیئت اجتماعی کے خالق کے طور پر خدا کے وجود کو بالکل خارج کر دیا۔ (فرانسس ہچنگ کی تصنیف زرافہ کی گردن سے ماخوذ)

شرک فی العبادہ:

شرک کے اس زمرہ کے تحت غیر اللہ کی پرستش کی جاتی ہے اور ان سے ہی اجر کی توقع کی جاتی ہے۔ اس طرح خالق کی جگہ مخلوق کو معبود بنایا جاتا ہے۔ سابقہ اقسام کی طرح اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(الف) الشرک الاکبر:

اس زمرہ کی صورت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود قرار دیا جائے یہ شرک کی وہ بدترین شکل ہے جسے مٹانے کے لئے انبیاء مبعوث کئے گئے تاکہ وہ لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت سے روکیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج

(النحل ۱۶-۳۶)

بیشک ہم نے ہر قوم میں انبیاء مبعوث کئے تاکہ وہ لوگوں کو تلقین کریں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے دور رہو۔

طاغوت دراصل ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسکی اللہ کے ساتھ پرستش کی جائے یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کی جائے۔ مثال کے طور پر محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو پرستش کی ایک شکل ہے لیکن اس کی تکمیل اس طرح ہونی چاہئے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ یہ محبت یا وابستگی و شیفتگی وہ صورت نہیں ہے جو انسان کو دوسرے انسان سے ہوتی ہے

والدین کو اہل وعیال سے، اکل وشرب سے وغیرہ۔ معبود سے اس طرز کا جذبہ بت رکھنا گویا خالق کو مخلوق کے درجے پر لے آنا ہے اور یہ شرک ہے یعنی شرک فی الاسماء والصفات۔ محبت جو پرستش کی صورت اختیار کرلے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے جذبات کو اللہ کے تابع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران ۳۱-۳)

اے رسول! ان سے کہدو کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ سے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک اس کے نزدیک میں (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے والدین اہل وعیال اور تمام دنیا سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔ (اسے بخاری میں حضرت انس سے روایت کیا گیا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ان کی بشریت کی بناء پر نہیں بلکہ ان کے پیغام کی بناء پر ہے جس کے ساتھ انہیں مبعوث کیا گیا۔ لہٰذا اللہ کی محبت کی طرح رسول سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کے ہر حکم کی صدق دلی سے تعمیل کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ. (آل عمران)

کہدو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اگر کوئی شخص کسی شئے یا کسی شخص کی محبت کو اس کی اور اللہ کی محبت کے درمیان آنے دیتا ہے تو گویا اس نے اس شئ یا اس ہستی کو اپنا معبود بنالیا۔ جیسے بعض لوگوں کے لئے ان کا حال یا ان کی خواہشات معبود کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے درہم (مال) کو معبود بنالیا وہ سدا

مصیبت میں رہے گا۔(بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ ط (الفرقان: ۴۳)

کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔

شرک فی العبادہ کی برائیوں کو بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ارتکاب سے انسان کا مقصد تخلیق ہی فوت ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. (الذّٰریٰت: ۵۶)

میں نے جن وانسان کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

شرک جلی خالق کے خلاف مخلوق کی سب سے سنگین بغاوت ہے اور اس طرح یہ گناہ کبیرہ ہے۔یہ ایک ایسا گناہ ہے جس سے بندے کی تمام نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور جہنم اس کا ابدی ٹھکانہ بن جاتا ہے۔ادیان باطل بنیادی طور پر ایسے ہی عقائد پر انحصار کرتے ہیں۔انسان کے اختراع کردہ جتنے مسالک وادیان ہیں وہ سب کسی نہ کسی انداز میں مخلوق کی پرستش سکھاتے ہیں۔عیسائیوں کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ ایک انسان (یسوع مسیحؑ) کی پرستش کریں وہ اللہ کے پیغمبر تھے لیکن ان کے پیروکاروں نے انہیں خدا کا درجہ دیدیا۔ کیتھولک عیسائی حضرت مریم کو مادرِ خدا قرار دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔اسی کے ساتھ وہ فرشتوں کی پرستش بھی کرتے ہیں۔میکائیل فرشتہ کے نام پر ۸ رمئی اور ۲۹ ر ستمبر کو تقریب منعقد کی جاتی ہے اسے یوم میکائل کہا جاتا ہے۔یعنی سنت میکائل کی پرستش کا دن (ولیم ھیلسی۔کالرز انسائیکلو پیڈیا) اسی طرح وہ انسان ولیوں کی پرستش بھی کرتے ہیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا فرضی۔

مسلمانوں میں شرک کا یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا دیگر صوفیا کے مزاروں پر دعائیں مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی دعا قبول ہوگی۔حالانکہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (الانعام: ۴۰-٦)

(کہدو۔تم یہ سوچو کہ اگر اللہ تم پر عذاب نازل کرے یا قیامت کی گھڑی آجائے تو کیا اس وقت بھی تم غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم سچائی پر ہو)

(ب) الشرک الاصغر (شرک خفی)

محمود ابن لبید سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے بارے میں جس بات سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ شرک خفی ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک خفی کیا ہے؟ ارشاد ہوا: الریا۔ (دکھاوا) بیشک حشر کے دن جب اللہ تعالیٰ حساب فرمائے گا اور لوگوں کو اجر دیا جائے گا تو وہ اہل الریا سے کہے گا ان ہی کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں دکھاوا ریا کاری کرتے تھے اور دیکھو وہ تمہیں کیا اجر دیتے ہیں۔ (بیہقی اور طبرانی نے اسے احمد سے روایت کیا ہے تیسر العزیز الحمید)

محمود بن لبید سے مزید روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: لوگو! شرک خفی سے بچو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شرک کیا ہے؟ فرمایا: ایک شخص عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس میں حسن اور کشش پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں تو یہ شرک خفی ہے۔ (ابن خزیمہ کے مجموعہ سے ماخوذ)

الریا (ریا کاری۔دکھاوا)

ریا اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی بھی قسم کی عبادت اس جذبے سے کرے کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کی ستائش کریں۔ اس سے اعمال صالحہ کا تمام اجر ضائع ہو جاتا ہے، اور ریا کار اس کے عوض عذاب شدید کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ عمل خصوصاً اس لئے بھی بے حد خطرناک ہے کہ ہر انسان کی فطری طور پر یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ اس کی تعریف کریں۔ دکھاوے کے جذبے سے مذہبی ارکان کی ادائیگی ایک برائی ہے جس کے

ارتکاب سے ہر مومن کو بہر طور بچنا چاہئے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ عبادت سے مومن کی اصل نیت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے اور عبادت کے لئے اخلاص اور یکسوئی شرط اول ہے۔ درحقیقت ایک مومن صادق جو علم دین سے بہرہ ور ہو اس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ریا یا شرک خفی کا مرتکب ہوگا کیونکہ یہ ایسے چھوٹے چھوٹے گڑھے ہیں جن کو ایک با بصیرت مومن بخوبی دیکھ سکتا ہے لیکن ایک مومن صادق (جو عالم نہیں ہے) اس کے بارے میں یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ غیروں کی طرح وہ بھی اس کا مرتکب ہو جائے کیونکہ اس کی نظر میں اس کے آثار واضح نہیں ہیں۔ اس کے لئے ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ اپنی نیت کو پاک رکھا جائے، شرک خفی کے پیچھے جو عوامل ترغیبی ہوتے ہیں وہ بھی بہت طاقت ور ہوتے ہیں کیونکہ یہ انسان کے باطن سے ابھرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی: شرک خفی اماوس کی رات میں ایک کالے پتھر پر چلنے والی کالی چیونٹی سے بھی زیادہ ناقابل شناخت ہے۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے اور تیسیر العزیز الحمید میں نقل کیا گیا ہے)

لہٰذا ہر مومن کو اس کی پوری احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کی نیت پاک اور خالص ہو اور جو بھی مذہبی اعمال و عبادات ہوں وہ اخلاص نیت کے ساتھ ہوں اور اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جائے کہ ہر اہم کام شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لیا جائے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی دعائیں منقول ہیں جو انسان کے ہر فطری عمل سے پہلے پڑھی جانی چاہئیں یعنی کھانا پینا، سونا، جاگنا، جنسی عمل حتی کہ قضائے حاجت کے لئے جانے پر بھی دعا کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ بندے کی ہر عادت ایک عبادت بن جائے اور اللہ کی حمد و ثنا کے لئے مومن کا ذہن ہر وقت اور ہر قدم اور ہر عمل پر بیدار رہے۔ احساس کی اس بیداری کا نام تقویٰ ہے اور یہی انجام کار اخلاص نیت تک پہنچاتا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں جو شرک کے ارتکاب سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ ایسی دعائیں ہیں جنہیں کسی بھی وقت پڑھا جا سکتا

ہے۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: لوگو! شرک سے بچو کیونکہ یہ چیونٹی کے رینگنے سے زیادہ مخفی ہوتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں جبکہ یہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ غیر محسوس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس دعا کا ورد کرو۔

اللھم انا نعوذ بک ان نشرک شیئاً نعلمہٗ ونستغفرک لما لا نعلمہٗ.

اے اللہ ہم اس سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ شعوری طور پر کسی بات میں شرک کے مرتکب ہوں اور ایسے شرک سے بھی مغفرت کے طلبگار ہیں جو لاعلمی میں ہم سے سرزد ہوا ہو۔ (احمد اور طبرانی نے اسے نقل کیا ہے)

آئندہ ابواب میں اس کی مزید وضاحت کی جائے گی کہ وہ کون سے شعبے ہیں جن میں شرک کی یہ تینوں اقسام عام طور پر واقع ہوتی ہیں۔

☆☆☆

باب (۳)

آدم سے اللہ کے عہد کے بارے میں

اسلام میں ہندوؤں کے اوتار کے عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ تناسخ ارواح کو اسلام تسلیم کرتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح کسی دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے۔[1] اس عقیدے کے لوگ کرما[2] (اعمال) کی بابت اس نظریہ کے حامل ہیں کہ انسان زندگی میں جیسے اعمال کرتا ہے اس کا دوسرا جنم انہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر وہ اعمال بد کا مرتکب ہوتا ہے تو اگلے جنم میں وہ ایک اچھوت عورت کے بطن سے پیدا ہوگا اور اس نئے جنم میں اسے نیک اعمال انجام دینے ہوں گے تاکہ اس سے اگلے جنم میں وہ اعلیٰ ذات میں پیدا ہو سکے۔ اگر وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے تو اس کا اگلا جنم کسی اعلیٰ ذات کی خاتون کے بطن سے ہوگا اور وہ عزت پائے گا۔ اسی طرح نیک اعمال کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے وہ آئندہ جنم لیتا رہے گا تاآنکہ وہ درجہ کمال کو پہنچ کر کسی برہمن کے خاندان میں جنم لے جب وہ کمال حاصل کر لیتا ہے تو عمل تناسخ (سلسلہ پیدائش) سے رہائی حاصل کر کے اس کی روح برہما (روح عالم) میں ضم ہو جاتی ہے اس عمل کو نروان کیا جاتا ہے۔

اسلام اور دیگر ادیان ساوی کے عقیدے کے مطابق جب ایک انسان اس زمین پر

۱۔ شیعوں کے بعض فرقوں مثلاً اسماعیلی، لبنان کے دروزی اور شام کے نصیری (علوی) نے بھی اس عقیدے کو قبول کر لیا ہے (دیکھئے مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۲۔ کرما (کرم) سے مراد اعمال و افعال ہیں۔ دوسرے مفہوم میں اس سے مراد کسی عمل کا نتیجہ یا اثر (پھل) یا پچھلے جنم کے اعمال کا مجموعی نتیجہ (عمل) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جندوگیہ اپنشد (وید) میں لکھا ہوا ہے جو پچھلے جنم میں اچھے کرم (اعمال) کرے گا وہ اگلے جنم میں برہمن عورت کے بطن سے جنم لے گا جو برے کرم کرے گا اس کا اگلا جنم اچھوت (نیچ ذات) عورت کے بطن سے ہوگا۔ (ڈکشنری آف ریلیجن ص ۱۸۰)

مرتا ہے تو روز حشر سے پہلے وہ دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ قیامت برپا ہونے کے بعد سب کو پھر زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا حاکم اور لائق عبادت ہے وہ ان کے اعمال نیک و بد کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ اپنی موت سے دوبارہ زندہ جانے کیئے جانے تک انسان ایک ایسے مقام پر رہتا ہے جسے عربی میں برزخ [۱] کہتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یک شخص جو ہزاروں سال پہلے وفات پا گیا وہ ہزاروں سال مزید انتظار کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ اعمال نیک و بد کا حساب ہو۔ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کی موت اس کے حشر و نشر کا آغاز ہے۔ وقت (گردش شام و سحر) ان کے لئے ہے جو اس زمین پر زندہ ہیں۔ جب ایک انسان مرجاتا ہے تو وہ وقت کی حدود سے ماوراء ہو جاتا ہے اس کے لئے ہزار سال کا عرصہ بھی پلک جھپکنے کے برابر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں اس کی تشریح ایک حکایت میں بیان کی ہے کہ ایک شخص کو اس بات میں شک تھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ایک قریہ کے مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر سو سال کے لئے موت طاری کردی، جب اسے دوبارہ زندہ کیا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ وہ کتنی دیر تک سوتا رہا اس نے جواب دیا ایک یا دو دن تک۔ اسی طرح جو لوگ طویل سکتہ کے شکار ہوتے ہیں ہوش آنے پر یہی سمجھتے ہیں کہ بہت تھوڑا وقت گزرا یا بالکل نہیں گزرا۔ بعض اوقات آدمی گھنٹوں سویا رہتا ہے اور پھر جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی سویا تھا لہٰذا اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ کوئی شخص یہ سوچتا رہے کہ برزخ میں سیکڑوں سال کا عرصہ کیسے گزرتا ہے کیونکہ وہاں وقت کی کوئی معنویت نہیں ہے۔

۱۔ اس کے لغوی معنی تقسیم (پارٹیشن) کے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے (وہ لوگ مغالطے میں رہیں گے) جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا پروردگار مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ میں نیک عمل کروں جو میں نے اب تک نہیں کیے لیکن یہ صرف ان کی زبانی باتیں ہیں اب ان کے لئے برزخ ہے یہاں تک کہ دوبارہ زندہ کیے جائیں المومنون: ۱۰۰-۹۹-۲۳)

ماقبل تخلیق:

اگرچہ اسلام دوسرے جنم کے عقیدہ (تناسخ) کو رد کرتا ہے تاہم اس بات کو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے کہ کسی بچے کے اس دنیا میں وجود میں آنے سے قبل اس کی روح موجود تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو یوم عرفہ کے دن ان سے ایک عہد لیا اس نے ان تمام ارواح کو جمع کیا جو آدم کی نسل سے پشت در پشت قیامت تک پیدا ہوتی رہیں گی تاکہ ان سے بھی یہ عہد لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے براہ راست ان سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ان سب (ارواح) نے جواب دیا بیشک آپ ہمارے رب ہیں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ عہد اس لئے لیا گیا ہے تاکہ روز حشر تم (اولاد آدم) عذر پیش نہ کرسکو کہ ہمیں اس بارے میں کچھ علم ہی نہیں تھا ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور اسی کی عبادت بنی نوع انسان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید کہا یہ اس لئے بھی ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے اجداد نے غیر اللہ کی پرستش کی (شرک میں ملوث ہوئے) ہم تو صرف ان کی اولاد ہیں۔ کیا آپ ان کذابوں کی وجہ سے ہمیں عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یہ ان آیات قرآنی کی تفسیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ آیات کریمہ یہ ہیں:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ○ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ○ (الاعراف ۷۳-۱۷۲-۷)

جب تیرے پروردگار نے آدم کی نسلوں (ارواح) سے عہد لیا اور کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا بیشک ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ (یہ عہد اس لئے

لیا گیا ہے تاکہ) تم روز حشر یہ نہ کہو کہ ہمیں اس بارے میں علم نہیں تھا یا تم یہ کہو کہ وہ ہمارے اجداد تھے جو شرک کرتے تھے ہم تو صرف ان کی اولاد ہیں کیا آپ ان کی گمراہی کی سزا ایں ہمیں عذاب دیں گے۔

ان آیات قرآنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ ہر شخص اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ اللہ کو اپنا معبود برحق مانے اور حشر کے دن اس بارے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ ہر انسانی روح میں اللہ کے معبود برحق ہونے کا نقش مرتسم ہے اور اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو ان کی زندگی میں ہی ایسے آثار ونشانات ظاہر کردیتا ہے جس سے ظاہر ہوجائے کہ بت ان کے معبود نہیں ہیں۔ لہٰذا ہر باشعور انسان پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی تخلیق سے ماوراء اپنا معبود تسلیم کرے اور کسی شئے کو اس کا مظہر نہ بنائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور ظاہر کیا جس میں انہوں نے اپنے ایمان کا مشاہدہ کیا اور یہ سب آدم کو دکھایا۔ نور کے ان لاتعداد لمعات سے آدم مبہوت ہوگئے، انہوں نے اللہ سے عرض کیا پروردگار یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ سب تمہاری اولاد ہیں۔ تب آدم نے ایک لمعہ نور کو قریب سے دیکھنا شروع کیا جسکی چمک نے انہیں مسحور کردیا تھا انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ داؤد ہے جو تمہاری قوم کے افراد میں سے ہوگا۔ تب آدم نے پوچھا اسکی عمر کتنی ہے بتایا گیا ۶۰ سال۔ تب آدم نے کہا پروردگار میری عمر سے چالیس سال اسے دے کر اس کی عمر میں اضافہ کردے۔ لیکن جب آدم کا آخری وقت آیا اور فرشتہ اجل حاضر ہوا تو آدم نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں فرشتہ نے جواب دیا کہ آپ نے اپنی عمر کے چالیس سال داؤد کو نہیں دیدیئے تھے آدم نے اس سے انکار کیا۔ اس لئے آدم کی اولاد بھی اللہ سے کئے گئے اپنے عہد سے منکر ہوگئی۔ آدم اللہ سے کئے گئے وعدے کو بھول گئے اس طرح ان کی اولاد نے بھی اپنا عہد بھلادیا اور ان سب سے غلطی کا ارتکاب ہوا۔ (ابوہریرہ کی روایت جسے ترمذی نے نقل کیا ہے)

اللہ کے عہد (میثاق آدم) کو فراموش کر دینے کے سبب آدم نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا اور شیطان کے ورغلانے میں آ گئے ان کی اولاد میں سے بھی اکثر نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو کہ وہ صرف اسی کو رب سمجھیں گے اور اس کی ہی عبادت کریں گے فراموش کر دیا اور غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے بعض کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ میں نے انہیں فردوس کے لئے تخلیق کیا ہے یہ اعمال صالحہ انجام دیں گے اور فردوس کے مستحق ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے بقیہ افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے انہیں جہنم کے لئے تخلیق کیا ہے یہ ایسے اعمال بد کے مرتکب ہوں گے جو اہل جہنم کرتے ہیں۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر اعمال صالحہ سے کیا حاصل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے اپنے جس بندے کو فردوس کے لئے پیدا کیا ہے تو وہ اعمال صالحہ کی انجام دہی میں اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ اعمال صالحہ کے ذریعہ جنت کا مستحق ہو جائے اور جہنم جن کا مقدر ہے ان کے لئے اعمال قبیحہ کی راہ آسان کر دی جاتی ہے اور ایسا شخص اعمال بد میں گرفتار رہ کر مر جاتا ہے اور جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ (حضرت عمر بن الخطاب کی روایت جسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو اعمال نیک و بد میں اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر حشر کے دن حساب کتاب کا معاملہ ہی بے مقصد ہو کر رہ جاتا۔ اللہ نے جس شخص کو پیدا کیا اسے اس کے بارے میں اس کی تخلیق سے پہلے ہی اسے معلوم ہے کہ وہ شخص اعمال صالحہ کی راہ اختیار کرے گا؟ ایمان اور عقیدہ پر راسخ رہے گا اور شرک و کفر سے بچے گا اس لئے وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔

جو شخص اللہ پر اخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اور عمل صالح میں سعی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے مواقع فراہم کرتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عمل صالح کرے اور ایمان و عقیدہ

کو مزید مستحکم کرے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور عقیدہ صالح کو برباد نہیں ہونے دیتا۔ اگر انسان غافل ہو جائے تب بھی اللہ اس کی مدد کرتا ہے کہ وہ پھر صراط مستقیم پر لوٹ آئے۔ صراط مستقیم سے بھٹک جانے والے کو اللہ اسی دنیا میں سزا دیتا ہے تا کہ وہ غفلت سے بیدار ہو کر راہ راست اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اعمال صالحہ کرتے ہوئے ہی آغوش رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے تا کہ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو جائے جو اصحاب جنت ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص کفر کا مرتکب ہوتا ہے اور اعمال صالحہ سے دور ہو جاتا ہے۔ تب اس کے لئے برائیوں کی راہ آسان کر دی جاتی ہے اور وہ زیادہ سرکش ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان اعمال قبیحہ میں گرفتار رہتے ہوئے اسے موت آ جاتی ہے اور یوں وہ اہل جہنم میں سے ہو جاتا ہے۔

الفطرہ (فطرت)

اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت کے تمام انسانوں (بنی آدم) کی ارواح کو اکٹھا کر کے ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ اس میثاق آدم کا نقش انسان کی روح پر اس کی پیدائش سے پہلے ہی مرتسم ہو جاتا ہے۔ جب بچہ شکم مادر میں پانچویں مہینہ کا (جنین) ہو جاتا ہے پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی روح میں اللہ کی ربوبیت کا نقش ہوتا ہے۔ اسے عربی میں فطرت کہتے ہیں۔ اگر بچہ کو اس کی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو اسے اللہ کی وحدت اور اس کے معبود ہونے کا عرفان حاصل ہو جائے گا لیکن ہر بچہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اپنے ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ ایک حدیث قدسی ہے: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو صحیح دین پر پیدا کیا لیکن شیطان نے اسے گمراہ کر دیا۔ (مسلم) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اپنے عقیدہ کے مطابق اسے یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جانور کا بچہ اپنی اصلی

(جبلی) حالت میں پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اس کے اعضاء قطع کر کے اسے بدنما بنا دیتے ہیں، کیا تم نے جانوروں کے کسی بچے کو دیکھا ہے کہ اسکے اعضا پیدائشی پر کٹے ہوئے ہوں لیکن تم اس کے اعضا قطع کر دیتے ہو۔ ایک انسان کا بچہ بھی اپنی اسی فطری جسمانی وضع پر پیدا ہوتا ہے جو اللہ نے انسان کے لئے مقدر کر دی ہے اس کی روح بھی اسی وضع پر ہوتی ہے۔ (جو اللہ کے عہد کی پابند ہوتی ہے) یعنی اللہ اس کا خالق و مالک ہے۔ لیکن اس کے والدین اسے اپنے عقیدے کی پابندی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ عمر کی ان ابتدائی منزلوں میں بچہ شعوری طور پر اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ والدین کی اس روش کی مخالفت یا مزاحمت کر سکے۔ اس عمر میں بچہ جس عقیدہ کا پابند ہو جاتا ہے وہ رسوم رواج اور تربیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچے کو اس کے لئے مکلّف نہیں گردانتا نہ اسے سزا دیتا ہے۔ مگر جب وہ بچہ بالغ ہو جائے اور اصل دین کی تعلیمات سے اسے آگاہ کیا جائے تو اس کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ فطرت سے رجوع کرے اور اس دین کو اختیار کرے جو علم اور عقل کے مطابق ہے۔ (العقیدۃ الطحاویۃ) لیکن اس مرحلہ پر شیطان اسے بہکاتا اور ورغلاتا ہے کہ وہ اپنے فاسد عقیدہ پر کاربند رہے بلکہ اس میں مزید شدت پیدا کرے۔ اس مقصد سے اس کے لئے برائیوں میں کشش پیدا کر دی جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب اسے فطرت اور خواہشات کے درمیان شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے عالم میں اسے صحیح راہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وہ فطرت کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ خواہشات کو مغلوب کرنے میں اس کی مدد کرے گا خواہ اس جدوجہد میں اس کی تمام زندگی صرف ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ زندگی کے آخری ایام میں اسلام قبول کرتے ہیں جبکہ بعض اس سے بہت پہلے دین برحق کے دامن عافیت میں آ جاتے ہیں۔

ان تمام طاقتور عناصر کے ہوتے ہوئے جو فطرت کے خلاف اپنی مہم پوری شدت سے جاری رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بعض صالح بندوں کو چنا اور انہیں زندگی میں صراط مستقیم سے آگاہ کیا۔ یہ صالح افراد جنہیں رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اس لئے مبعوث کئے

گئے تا کہ دشمنوں سے ہماری فطرت کا دفاع کریں۔ آج انسانی معاشرہ میں جو نیکیاں اور اخلاقی اصول و اقدار ہیں وہ ان ہی پیغمبروں کی تعلیمات کے تحت مرتب ہوئے ہیں۔ اگر ان انبیاء کی تبلیغ و تلقین نہ ہوتی تو سطح ارض پر کہیں بھی امن و عافیت کا ماحول نہ ہوتا۔ مثال کے طور پر مغربی ممالک میں قوانین کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ پر ہے جو تورات میں مذکور ہیں یعنی تو چوری نہیں کرے گا، تو کسی کو قتل نہیں کرے گا وغیرہ۔ لیکن اس کے باوجود یہ ممالک اپنے سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یعنی ان کی حکومتوں کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہٰذا انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ انبیاء کے بتائے ہوئے راستے پر چلے کیونکہ صرف یہی وہ راہ ہے جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہے اپنے باپ دادا کے عقیدہ اور عمل کو اسے محض اس لئے اختیار نہیں کر لینا چاہئے کہ یہ اس کے اجداد کا مسلک ہے اسے اس بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے بالخصوص جب اسے اس کا واضح طور پر علم ہو جائے کہ یہ طریقہ اور مسلک غلط ہے۔ اگر وہ حق کی پیروی نہیں کرتا تو اس کا حال وہی ہوگا جن کے بارے میں قرآن عظیم میں ارشاد ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ؕ أَوَلَوْ كَانَ آبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُونَ. (البقرہ ۱۷۰-۲)

(جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جو ہمارے آبا و اجداد کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ان کے آبا و اجداد کچھ سمجھ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہدایت یافتہ تھے)

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ (العنکبوت: ۸)

ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے لیکن اگر وہ تمہیں شرک پر آمادہ کریں جس کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو (کہ وہ غلط راہ ہے) تو تم ان کا کہنا مت مانو۔

پیدائشی مسلمان:

جو لوگ خوش قسمتی سے مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کے ذریعہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اقوام مسلم کی ایک بڑی تعداد یہودیوں اور عیسائیوں کی اس شدت سے پیروی کرے گی کہ اگر وہ چھپکلی کے بل میں گھس گئے تھے تو یہ بھی ان کے بعد اس میں داخل ہو جائیں گے۔[1]

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت برپا ہونے سے پہلے بعض مسلمان بت پرستی کو بھی شعار بنالیں گے۔ ان لوگوں کے مسلمانوں جیسے نام ہوں گے اور وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کریں گے لیکن اس سے انہیں روز حشر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا[2]۔ آج دنیا میں ہر جگہ ایسے مسلمان موجود ہیں جو مزاروں پر جا کر دعائیں مانگتے ہیں، اپنے مرشدوں کے مقبرے بناتے ہیں، ان میں مساجد تعمیر کرتے ہیں اور ایسے ارکان بھی بجالاتے ہیں جسے پرستش (عبادت) کہا جاتا ہے۔ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن علی (ابن ابی طالب) کو خدا قرار دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں[3] بعض لوگوں نے قرآن عظیم کو تعویذ بنالیا ہے وہ اسے نازک زنجیروں میں آویزاں کر کے ہار کی طرح گردن میں پہنتے ہیں اپنی گاڑیوں میں آویزاں کرتے ہیں اور اپنی کنجیوں (چابی) کی زنجیروں میں منسلک کرتے ہیں لہٰذا ایسے تمام مسلمانوں کو جو اپنے والدین کے عقائد کو آنکھ بند کر کے مانتے اور پیروی کرتے ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ وہ اتفاق (چانس) سے مسلمان بن گئے ہیں یا انہوں نے سوچ سمجھ کر (چوائس) اسلام قبول کیا ہے۔ انہیں اپنی موجودہ کورانہ روش کو ترک کرنا چاہئے۔ وہ اس بات پر غور کریں کہ آیا اسلام وہ ہے جو ان

۱- اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے صحیح بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔

۲- اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور صحیح بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

۳- لبنان کے نصیری، فلسطین اور لبنان کے دروزی۔

کے ماں، باپ، قبیلہ، فرقہ، افراد یا اقوام میں رسم و رواج کے طور پر رائج ہے یا وہ جس کی تعلیمات قرآن عظیم میں پیش کی گئی ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلقین و تبلیغ فرمائی اور صحابہ کرام نے اسے دوسروں تک پہنچایا۔

میثاق:

انسانوں نے اپنی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ اسے اپنا خالق و معبود مانیں گے اور اس کے ساتھ عبادت وغیرہ میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

شہادت (کلمہ شہادت) کے یہی اصل معنی ہیں ایک مسلمان کو حقیقی معنوں میں مومن بننے کے لئے شہادت کے معنی کو قولاً و فعلاً بروئے عمل لانا چاہئے۔ لا الٰہ الا اللہ جسے کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے اللہ کی وحدت کا اعلان اور اعتراف ہے۔ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی وحدت کا اعتراف دراصل اس عہد کی توثیق ہے جو انسان نے اپنی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میثاق کی تعمیل کیسے کی جائے؟

اس کی تکمیل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ عقیدہ توحید کو اخلاص و سنجیدگی سے مانا جائے اور زندگی میں اس کی شرائط اور لوازمات کی پابندی کی پوری کوشش کی جائے۔ توحید پر عملی عقیدہ سے مراد یہ ہے کہ شرک کی ہر قسم سے مکمل طور پر بچا جائے اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے جنہیں اللہ نے اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا کیونکہ انسان نے اللہ سے اس کی ربوبیت اور خلاقیت کا عہد کیا ہے۔

لہٰذا اعمال صالحہ کی ترتیب اور تعمیل اسی طرز و انداز سے کرنی چاہئے جس کی تعلیم قرآن عظیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کیونکہ وہی اعمال صالحہ ہیں۔ اسی طرح اعمال بد بھی وہی ہوں گے جن سے اجتناب کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اس طرح ذہنی طور پر انسان عقیدہ توحید پر کاربند ہو جاتا ہے ایسا کرنا اس لئے

ضروری ہے کہ بعض افعال بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اعمال بد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے تو پہلے اسے کسی شاہزادے یا امیر سے ملنا چاہیے تاکہ وہ اس کی طرف سے بادشاہ سے گفتگو کرے۔ اسی مثال کو بنیاد بنا کر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ سے کچھ مانگتا ہے تو اسے پہلے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اولیاء سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ اللہ سے اس کی سفارش کریں کیونکہ وہ خود ایک سیہ کار شخص ہے جسکی زندگی گناہوں سے آلودہ ہے۔ بظاہر یہ منطقی استدلال صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ سے براہ راست مانگو اس تک پہنچنے یا اس سے مانگنے کے لئے کسی وسیلہ یا سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ [1]

اسی طرح کوئی عمل بظاہر برا معلوم ہوتا ہے جبکہ درحقیقت وہ نیک عمل ہوتا ہے۔ مثلاً: کوئی شخص یہ کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا بربریت ہے اور شرابی کو کوڑے مارنا غیر انسانی فعل ہے۔ اور کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ سزائیں بہت سخت ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزائیں نافذ کی ہیں اور معاشرہ پر ان کے مثبت اور صالح اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ سے کیے اس میثاق کو ایک مسلمان کو عملاً اختیار کرنا چاہیے بلا لحاظ اس کے کہ اس کے والدین مسلمان تھے یا نہیں۔ اور اس میثاق کو زندگی میں نافذ کرنے کا مطلب خود اسلام کو اپنی زندگی کی بنیاد بنانا ہے، انسان کی فطرت ہی اسلام کی بنیاد ہے۔ لہٰذا جب وہ اسلام کی تعلیمات پر پوری طرح عمل کرتا ہے تو اس کے ظاہری اعمال اس فطرت سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ جب

[1] قرآن عظیم میں ارشاد ہے و قال ربکم ادعونی استجب لکم الغافر. (۶۰-۴۰)
اور تمہارے رب نے کہا مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا)
اللہ کے رسول کا ارشاد ہے اگر تم کچھ مانگنا چاہتے ہو تو صرف اللہ سے مانگو اگر تمہیں مدد کی ضرورت ہے تو صرف اللہ سے ہی مدد طلب کرو۔ (ابن عباس کی روایت ہے جسے بخاری نے نقل کیا ہے۔

ایسا ہوتا ہے تو انسان کے ظاہر و باطن میں یکسانیت آتی ہے یعنی ابن آدم عظمت کے اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جسے اللہ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اللہ نے اسے زمین پر حکمراں بنایا کیونکہ صرف وہی شخص جو توحید کا حامل اور عامل ہے اللہ کی زمین پر امن و انصاف قائم کر سکتا ہے۔

☆☆☆

باب (٤)

تعویذ اور شگون کے بارے میں

پہلے باب میں ہم نے توحید کی قسم توحید ربوبیت کا بیان کیا تھا یعنی اللہ کی وحدت اور یہ عقیدہ کہ وہ کائنات کا خالق و مالک ہے اور رازق ہے۔

تخلیق کائنات اس کی بقاء اور انجام کار اس کی فنا سب اللہ تعالیٰ کے حکم پر منحصر ہے اسی طرح نیک و بد حالات خوش قسمتی، بدقسمتی بھی اسی پروردگار کی مشیت کے تحت صادر ہوتے ہیں لیکن انسان ہر دور میں یہ سوال کرتا آیا ہے کہ آیا کچھ ایسے طریقے بھی ہیں جن سے نیک و بد احوال و واقعات نے ظہور پذیر ہونے سے قبل ان کا اندازہ کیا جا سکے کیونکہ قبل از وقت ان کا عرفان ہو جائے تو ناموافق حالات (بدنصیبی) کو روکنے کی تدبیر کی جائے اور خوش نصیبی کے ظہور پذیر ہونے کو یقینی بنایا جائے۔ زمانہ قدیم سے ہی ایسے لوگ رہے ہیں جو دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں غیبی امور میں دخل ہے اور جاہل عوام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے، بیش قیمت نذرانے پیش کرتے تاکہ ان سے ان غیبی امور سے متعلق کچھ باتیں معلوم کر سکیں۔ ان بدبختوں اور امکانی آفتوں سے بچنے کے لئے جو طریقے اختراع کئے گئے ان میں تعویذ گنڈوں وغیرہ کی بہتات ہوگئی اور شگون بدشگونی کے بارے میں متعلقہ علوم میں بہت کچھ بتایا گیا اور ان معلومات کو عام کیا گیا۔ انسان کی قسمت کا حال جاننے کے مفروضہ خفیہ حربے ایجاد ہوئے، ہر تہذیب میں ان علامتوں اور نشانیوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ بہرکیف اس علم کی خفیہ شاخ بھی ہے جو نسل در نسل سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہتی ہے جو قسمت کا حال بنانے کے مخفی علوم پر مشتمل ہے۔

یہ بھی ایک بہت اہم بات ہے کہ ان علوم کے بارے میں ایک واضح اسلامی نظریہ کا ارتقا عمل میں آئے کیونکہ ہر انسانی معاشرہ میں ایسی باتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں ان کو سمجھنا

اور سمجھانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کی اصل سے ناواقف ہونے کے سبب ایک مسلمان شرک میں مبتلا ہوسکتا ہے جو اس علم اور طریقہ کی بنیاد ہیں۔ اگلے چار ابواب میں ان دعووں کا تجزیہ کیا جائے گا جو اللہ کی ربوبیت وحدت اور اس کی بے نظیر صفات کی نفی کرتے اور غیر اللہ (مخلوق) کی عبادت کی ترویج کرتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور سنت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر اس کے بارے میں اسلامی شریعت کا حکم بیان کیا جائے گا تاکہ قاری کی پوری طرح رہنمائی ہوسکے جو توحید کی روشنی میں اس کا حل جاننا چاہتے ہیں۔

تعویذ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکین عرب بازوؤں پر تعویذ باندھتے، کڑے پہنتے، گلے میں مالائیں ڈالتے تھے تاکہ بدبختی اور بری روحوں سے ان کی حفاظت ہو اور نیک بختی حاصل ہو۔ دنیا کے دیگر خطوں میں بھی ایسے تعویذ گنڈے وغیرہ استعمال کرنے کا رواج مختلف شکلوں میں موجود رہا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ تعویذ گنڈے طلسم، منتر وغیرہ توحید ربوبیت کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے صفات و اختیارات اس کی مخلوق سے منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ خوش بختی یا بدبختی کا ظہور صرف اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے، کسی مخلوق کو اس پر قدرت نہیں ہے۔ اسلام نے اس قسم کے عقیدوں کی ہر شکل اور قسم کو مسترد کردیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں عرب میں رائج اور مقبول تھے تاکہ اس کی بنیاد پر اسی قسم کے تمام دیگر عقائد و رسوم کو رد کیا جاسکے۔ ان کا ظہور کہیں بھی ہو کسی بھی شکل میں ہو، اسلامی شریعت انہیں حرام قرار دیتی ہے۔ یہ عقائد دراصل کسی معاشرہ میں بت پرستی کے لئے بنیاد فراہم کرتے ہیں اور تعویذ گنڈے وغیرہ بت پرستی کی ہی ایک شاخ ہیں۔ شرک کے اس تعلق کو عیسائی مذہب کے کیتھولک فرقے میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں حضرت عیسیٰ (یسوع) کو خدا بنادیا گیا ہے،

ان کی والدہ معظمہ حضرت مریم اور دیگر سنتوں کی پرستش کی جاتی ہے ان کی تصویریں مجسمے طغرے، لوحیں وغیرہ جو ان کی شباہت قرار دیئے جاتے ہیں انہیں حفاظت اور خوشحالی و خوش نصیبی کے لئے گلے میں پہنا جاتا ہے یا کمروں میں رکھا جاتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اس قسم کی باتوں میں اعتقاد رکھتے تھے۔ عربی میں انہیں تمائم (واحد تمیمہ) کہتے ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد حدیثوں میں اس قسم کے عقائد اور اعمال کے خلاف متنبہ کیا گیا ہے۔

عمران بن حسین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بازو پر ایک پیتل کا کڑا دیکھا تو آپ نے اس سے کہا تم پر افسوس ہے! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ ایک بیماری واہمہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اتار دو کیونکہ تمہاری کمزوری میں اضافہ ہوگا اگر تم اسے پہنے ہوئے ہی مر گئے تو تم کبھی فلاح نہیں پاسکو گے۔ (احمد ابن ماجہ، ابن حبان نے اسے نقل کیا ہے) اس طرح کسی بیماری سے بچنے کے لئے کسی دھات سے بنا ہوا کوئی چھلہ، کڑا وغیرہ پہننا شرعاً ممنوع ہے۔ اس قسم کے طریقہ ہائے علاج حرام اشیاء سے علاج کے ذیل میں آتے ہیں جن کی بابت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کا علاج کرو لیکن حرام اشیاء سے کسی بیماری کا علاج مت کرو۔

ابو واقد اللیثی سے مزید روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جانب روانہ ہوئے تو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، مشرکین خوش بختی کے عقیدہ کے تحت اپنے ہتھیار اس درخت کی شاخوں سے آویزاں کرتے تھے۔ بعض صحابہ جو کچھ عرصہ پہلے ہی اسلام لائے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کے لئے بھی کوئی ایسا درخت تجویز کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا موسیٰ کی

قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی بت (دیوتا) بنا دے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم سب بھی اسی روش پر چلو گے جو تم سے پہلے کی قوموں کی تھی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بداعتقادی (تعویذ گنڈے وغیرہ) کو مسترد کر دیا بلکہ یہ پیشین گوئی بھی فرما دی کہ مسلمان یہودی عیسائیوں کے عقائد و اطوار اختیار کر لیں گے۔ تسبیح پر ذکر کرنا مسلمانوں میں بہت عام ہے حالانکہ یہ عیسائیوں کی نقل ہے۔ میلاد النبی کی تقریبات بھی عیسائیوں کی نقل ہے۔ بعض مسلمانوں کا اولیاء میں عقیدہ رکھنا اور یہ سمجھنا کہ وہ اللہ سے ان کی سفارش کر سکتے ہیں یہ بھی عیسائیوں کے عقیدے سے مستعار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ سچ ثابت ہو چکی ہے۔

تعویذ وغیرہ پہننے کی سنگینی اس سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تعویذ پہنتا ہے یا دوسروں کو پہناتا ہے اللہ اسے مایوسی اور اضطراب سے دوچار کرے۔ (احمد اور الحاکم نے اسے نقل کیا ہے)

تعویذ گنڈے وغیرہ کے بارے میں اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سختی سے عمل کرتے تھے، وہ ایسی باتوں کو نہ معاشرہ میں رائج ہونے دیتے تھے نہ اپنے گھروں میں کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ عروہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ ایک بار کسی مریض کی عیادت کو گئے تو انہوں اس کے بازو پر کچھ بندھا ہوا (تعویذ) دیکھا انہوں نے فوراً اسے کھینچ کر اتارا اور توڑ کر پھینک دیا پھر حذیفہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ٥ (یوسف ۱۰۶)

ایک اور موقعہ پر وہ ایک بیمار کی عیادت کو گئے انہوں نے اس کا بازو ٹٹولا تو اس پر خیط (دھاگا) بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بیمار نے جواب دیا کہ یہ ایک گنڈہ ہے جس پر اس کے لئے بعض جادوئی منتر پڑھے گئے ہیں۔ حذیفہ نے اس گنڈے کو اس کے

بازو سے نوچ کر ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور کہا اگر تم یہ دھاگا پہنے ہوئے مر جاتے تو میں ہر گز تمہاری نماز جنازہ میں شریک نہ ہوتا۔ (ابن ابی حاتم)

عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ ایک بار ان کے شوہر نے ان کے گلے میں دھاگے کا ایک ہار دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ٹونا ہے اس پر کچھ منتر پڑھے گئے ہیں تاکہ مجھے اس سے فائدہ ہو۔ انہوں نے فوراً اس ہار کو بیوی کے گلے سے کھینچ کر توڑ ڈالا اور کہا: یقیناً عبداللہ کے خاندان کو شرک کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے بلا شبہ جادو، تعویذ، گنڈے جیسی تمام باتیں شرک ہیں۔ اس پر ان کی بیوی زینب نے کہا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ ایک بار میری آنکھوں میں تکلیف تھی تو میں ایک یہودی کے پاس گئی، اس نے میری آنکھوں میں کچھ منتر پڑھ کر پھونکا اور میری آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا بیشک یہ شیطان کی کارستانی تھی جب تم اس کے سحر میں مبتلا ہو گئیں تو وہ غائب ہو گیا، تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ تم وہ دعا پڑھتیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اذهب الباس رب الناس و اشف انت الشافي لا شفاء الا شفاء ک شفاءً لا يغادر سقما:

اے کائنات کے خالق و مالک میری بیماری دور کر دے اور مجھے شفاء کامل عطا فرما کیونکہ تو ہی حقیقی شافی ہے اور تیری شفا کے سوا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے ایک ایسا علاج اور شفا جس کے بعد کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی۔ (حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ سے بھی اس دعا کو روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے نقل کیا ہے)

جادو ٹونا منتر وغیرہ کے بارے میں حکم:

ہم پہلے ہی وضاحت کر چکے ہیں کہ تعویذ گنڈے وغیرہ صرف اسی عربی انداز اور

دستور کے نہیں ہوتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، جہاں کہیں بھی ان چیزوں کو مذکورہ مقاصد و عقائد کے تحت استعمال کیا جائے ان پر یہی حکم نافذ ہوگا۔ (وہ حرام قرار دیئے جائیں گے) مغربی معاشرہ میں جہاں اس وقت سائنس اور ٹکنالوجی پر ترقیات کا زور ہے آج بھی جادو ٹونا وغیرہ جیسی باتوں کا رواج ہے۔ تعویذ وغیرہ کی ایسی کثرت ہے کہ ان کی نوعیت کے بارے میں سوچتے بھی نہیں لیکن جب اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے تو اس کی تہہ میں شرک ہی نظر آتا ہے۔

مغربی معاشرہ میں تعویذ گنڈہ اور جادو ٹونا کے بارے میں مندرجہ ذیل دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

خرگوش کا پاؤں:

خرگوش کا پچھلا پنجہ یا سونے چاندی سے بنی ہوئی اس کی نقل (شبیہ) کو خوبصورت اور نازک زنجیروں میں آویزاں کر کے لاکھوں لوگ اپنی گردن میں پہنتے ہیں اور اسے خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے پیچھے یہ مشاہدہ ہے کہ خرگوش اپنی پچھلی ٹانگوں سے زمین تھپتھپاتا ہے۔ قدیم عقیدہ کے مطابق اس طرح وہ زیر زمین ارواح سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ لہٰذا خرگوش کے پچھلے پنجوں کو ارواح سے رابطے کے لئے محفوظ کر لیا جاتا ہے تاکہ روحوں تک اپنی دعائیں اور تمنائیں پہنچائی جاسکیں۔ اسی کے ساتھ اس سے خوش نصیبی کا تصور بھی وابستہ کر دیا جاتا ہے۔

گھوڑے کے نعل:

بہت سے امریکن اپنے دروازوں پر گھوڑے کے نعل آویزاں کرتے ہیں، ان کی چھوٹی چھوٹی نقل بنوا کر تعویذ کی طرح گلے میں پہنتے ہیں۔ چابیوں کے گچھے میں لٹکاتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے انہیں خوش بختی اور خوشحالی حاصل ہوگی۔ اس عقیدہ کی بنیاد قدیم افریقی (یونانی) اساطیر میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ قدیم یونان میں گھوڑوں

کو مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی دروازے پر گھوڑے کا نعل آویزاں ہوتا تو اسے خوش بختی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ نعل کا اوپری حصہ آسمان کی طرف رکھا جاتا تھا تا کہ وہ خوش بختی کو روکے رکھے۔ اگر اوپری حصہ کا رخ نیچے کی طرف ہوتا تو سمجھا جاتا تھا کہ خوش نصیبی اس گھر سے رخصت ہوگئی۔

جادو ٹونے، تعویذ، گنڈے وغیرہ میں عقیدہ رکھنا مخلوق کو خالق کی صفات و اختیارات عطا کرنا ہے۔ خوش بختی اور بد بختی اللہ کے حکم سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جو لوگ جادو ٹونے تعویذ کو مانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو بندوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ان تعویذ گنڈے کو اللہ سے بھی زیادہ طاقت ور مانتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ان آفات و مصائب کو روکا جا سکتا ہے جن کا ظہور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونے والا ہے۔ اس طرح تعویذ ٹونے گنڈے وغیرہ کھلا ہوا شرک ہیں جیسا کہ اوپر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے:

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں دس آدمیوں کا ایک وفد حاضر ہوا، آپ نے ان میں سے ۹ کی بیعت لی لیکن دسویں کی بیعت لینے سے انکار کر دیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ہم سے ایک شخص کو بیعت سے محروم کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کیونکہ اس نے تعویذ پہن رکھا ہے، اس آدمی نے اس تعویذ کو اتار کر چاک کر ڈالا۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لی پھر اس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: جو شخص تعویذ گنڈہ پہنتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ (احمد اور ترمذی نے اسے نقل کیا ہے)

قرآنی آیات سے تعویذ بنانا:

صحابہ کرام، ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ رضی اللہ عنہم سب اس کے خلاف تھے کہ قرآنی آیات کو بطور تعویذ استعمال کیا جائے۔ تابعین میں سے بعض کے بارے میں

روایت ہے کہ وہ اس کی اجازت دیتے تھے لیکن ان میں سے پیشتر اس کے خلاف تھے تاہم حدیث کے متن میں قرآنی آیات یا کسی دیگر عبارت میں تفریق یا امتیاز نہیں کیا گیا ہے اور ہمارے پاس ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آیات قرآنی کو تعویذ کی شکل میں پہنا ہو یا صحابہ کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہو۔ قرآن عظیم کی آیات کو تعویذ بنا کر پہننے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی نفی ہوتی ہے جو آپ نے جادو کے اثرات زائل کرنے کے لئے اختیار فرمایا۔ سنت یہ ہے کہ ایسی حالت میں سورۃ والناس سورۃ الفلق اور آیت الکرسی کی تلاوت کی جائے۔ قرآن عظیم سے روحانی فوائد کے لئے اس کی تلاوت اور اس پر عمل لازمی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی اپنی قدر و قیمت میں دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم (الف لام میم) ایک حرف ہے بلکہ یہ تین حرف ہیں۔ (ابو ہریرہؓ کی روایت جسے بخاری نے نقل کیا ہے)

قرآن عظیم کو لاکٹ وغیرہ کی شکل میں پہننا گویا کسی بیمار کا ڈاکٹر کے نسخے کو گلے میں لٹکانا ہے۔ بجائے اس کے نسخہ کو پڑھ کر اس میں لکھی دوائیں استعمال کی جائیں انہیں کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں پہننا اور عقیدہ رکھنا کہ اس سے صحت یابی ہو جائے گی مضحکہ خیز عمل ہے۔ قرآن عظیم کے جزو کو تعویذ بنا کر پہننے اور یہ عقیدہ رکھنے سے کہ اس سے شفا حاصل ہو گی یا بد نصیبی سے حفاظت ہو گی گویا پہننے والا اس عمل کو روکنا چاہتا ہے جو اللہ نے پہلے ہی اس کے لئے مقدر کر دیا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی دوسری شئے پر بھروسہ کرتا ہے۔ تعویذ گنڈے وغیرہ پہننے سے شرک کی یہی شکل سامنے آتی ہے۔

عیسیٰ بن حمزہ سے روایت ہے کہ میں ایک بار عبداللہ بن عقیم کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں حمزہ بھی موجود تھے میں نے پوچھا کیا آپ تعویذ پہنتے ہیں؟ انہوں نے کہا معاذ اللہ کیا تم نے سنا نہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص تعویذ وغیرہ پہنتا ہے وہ اللہ کے بجائے اس تعویذ پر بھروسہ کرتا ہے۔ (عبداللہ بن مسعود کی

روایت جسے احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے)

قرآن عظیم کے اتنے چھوٹے نسخے تیار کرنا جنہیں برہنہ آنکھ سے نہ پڑھا جاسکے اور انہیں لاکٹ کے طور پر گلے میں پہنا جائے یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح زیورات پر آیت الکرسی اتنے باریک اور ناقابل قرآت خط میں نقش کرنا اور اسے گلے میں یا کانوں میں آویزاں کرنا بھی شرک کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ ایسے زیورات پہننے والی تمام خواتین کو شرک کا مرتکب قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان میں سے اکثر انہیں آفات سے محفوظ رہنے کے لئے پہنتی ہیں۔ اس طرح یہ بھی شرک کی ایک شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی توحید میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اس بارے میں بے حد محتاط رہنا چاہئے کہ وہ قرآن عظیم کو بطور تعویذ استعمال کریں۔ اسے اپنی موٹر گاڑیوں میں لٹکا کر چابیوں کے گچھے میں شامل کر کے، ہار یا کڑے وغیرہ کی شکل میں پہننے سے وہ غیر مسلموں کی تقلید کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کے گنڈے منتر تعویذ وغیرہ اس طرح استعمال کر کے مسلمان شرک کے لئے دروازے کھولتے ہیں۔ لہٰذا شعوری طور پر اپنے عقیدہ کو صحیح اور خالص بنانے کی سعی کرنی چاہئے تاکہ اس قسم کی لغویات سے پاک ہو کر ان کا عقیدہ خالص توحید پر پختہ ہو۔

شگون:

دو جاہلیت میں عرب مشرکین پرندوں کی پرواز کے رخ اور جانوروں کے آگے بڑھنے کی سمت کو دیکھ کر اچھے یا برے شگون کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرتے تھے۔ پرندوں اور جانوروں کی پرواز اور رفتار کے اس مشاہدہ کو طیارہ کہا جاتا تھا۔ یہ لفظ طار سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے پرواز کرنا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا اور کوئی پرندہ اس کے سر کے اوپر سے پرواز کر کے بائیں جانب مڑ جاتا تو وہ شخص اسے بدشگونی سمجھ کر سفر منقطع کر کے گھر لوٹ جاتا تھا۔

اسلام نے ایسی تمام باتوں کو لغو قرار دے کر مسترد کر دیا کیونکہ اس قسم کے عقائد سے توحید العبادہ اور توحید الاسماء والصفات پر ضرب پڑتی ہے۔

۱-یعنی اس سے عقیدہ توکل مجروح ہوتا ہے اور بندہ اللہ کے سوا دوسرے (غیر اللہ) پر بھروسہ کرتا ہے۔

۲-خوش نصیبی یا بد نصیبی آسائش و آلام کی بابت انسان کی پیش گوئی پر اعتماد کرنے کا مطلب اللہ کی تقدیر پر بھروسہ نہ کرنا ہے۔

طیارہ کے حرام ہونے کی بنیاد حضرت امام حسین (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے طیارہ کیا یا کسی دوسرے سے اپنے لئے کروایا یا جس نے قسمت کا حال معلوم کرایا یا جادو وغیرہ کروایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی) یہاں ہم سے مراد امت مسلمہ ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی طیارہ میں عقیدہ رکھتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

ایک اور حدیث کے مطابق جسے معاویہ بن الحکم نے روایت کیا ہے جب انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ طیارہ میں عقیدہ رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ سب تمہارے ذہن کی اختراع ہے، پس اس (طیارہ) پر یقین مت کرو۔ (مسلم) یعنی تم جو کام کرنا چاہتے ہو اسے طیارہ کے شگون کی بنیاد پر منقطع مت کرو کیونکہ اس قسم کی تمام باتیں انسانی ذہن کی خرافات ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ پرندوں کی پرواز کے رخ کو کسی بات کے لئے شگون نہیں بناتا۔ ان کی پرواز یا رفتار سے فلاح و آفات کے ظہور پذیر ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ بعض اوقات جاہلی عقیدہ کے مطابق حالات اس کے مطابق رخ اختیار کر لیتے ہیں۔

صحابہ کرام کے رفقاء یا تلامذہ میں سے کوئی اس قسم کی بات کرتا تھا تو وہ اسے یکسر مسترد کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر عکرمہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم ابن عباسؓ کے پاس

بیٹھے تھے اچانک ایک پرندہ ہمارے اوپر سے اڑا اور چیختا ہوا ایک طرف کو پرواز کر گیا۔ اس پر حاضرین میں سے ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا اللہ خیر کرے۔ ابن عباس نے اسے تنبیہ کی اور کہا ان باتوں میں کوئی خیر یا شر نہیں ہے۔ (تیسیر العزیز الحمید) اسی طرح حضرات تابعین کے شاگردوں میں سے (جو مسلمانوں کی تیسری نسل سے تعلق رکھتے تھے) اگر کوئی ایسے شگون کی تائید میں کچھ کہتا تو وہ اسے سختی سے مسترد کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک بار طاؤس اپنے ایک رفیق کے ساتھ سفر پر جا رہے تھے کہ ایک کوا بولا۔ اس پر ان کے ساتھی نے کہا واہ طاؤس نے ناگواری سے کہا اس میں کیا خیر ہے جو تم نے واہ واہ کہا تم میرے ساتھ سفر نہیں کر سکتے علیحدہ ہو جاؤ۔ (ایضاً)

تاہم بخاری میں ایک حدیث ہے۔ جس کے مفہوم میں اشتباہ زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں بدشگونی ہوتی ہے: عورت، سواری کا جانور اور گھوڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے مسترد کرتے ہوئے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم پر الفرقان (قرآن عظیم) نازل فرمایا جس شخص نے بھی اسے (حدیث کو) روایت کیا اس نے جھوٹ بولا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دور جاہلیت میں لوگ کہتے تھے کہ عورت، بار برداری کے جانوروں اور مکانوں میں بدشگونی ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (الحدید ۲۲-۵۷)

زمین پر یا تم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے وہ دی ہوتی ہے جسے ہم نے پہلے ہی مقدر کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے لیکن اس کی ایک دوسری حدیث کے تناظر میں تشریح کی جانی چاہیے جو زیادہ مخصوص انداز کی ہے۔ اگر کسی چیز میں بدشگونی کی بات ہوتی تو وہ عورت، مکان اور گھوڑوں میں ہو سکتی تھی۔ (بخاری) یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے بدشگونی کے وجود کی تصدیق نہیں فرمائی آپ نے صرف یہ بتایا کہ اگر اس کا واقعی وجود ہوتا تو اس کا ظہور ان چیزوں میں ہوسکتا تھا۔ ان تین چیزوں میں بدشگونی کے امکانات کی بات اس لئے کہی گئی کہ اس دور میں یہ تین چیزیں ہی ایک انسان کی زندگی کا سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ ہوتی تھیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ایسی دعائیں بھی تعلیم فرمائیں جو ان چیزوں کو حاصل کرنے یا (مکان میں) داخل ہوتے وقت پڑھ لی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اگر شادی کرے یا خادم لے کر آئے تو چاہئے کہ اس کی پیشانی پکڑ کر اللہ ارحم الراحمین کا نام لے اور خیر و برکت کی دعا کرے۔ اور کہے: اللھم انی اسئلک خیرھا وخیر ما جبلتھا علیہ واعوذبک من شرھا وشر ماجبلتھا علیہ۔

یا اللہ میں اس کے بارے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اور اس کی فطرت میں بھی خیر عطا فرما جو تو نے تخلیق فرمائی۔ یا اللہ میں اس کی بابت شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس کی فطرت کے اس شر سے بھی جو اس میں ہو۔

اگر کوئی شخص جانور خریدے تو بھی اس کے کوہان یا سب سے بلند حصے (گھوڑے کے بال وغیرہ) کو پکڑ کر یہی دعا کرے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مکان میں داخل ہو تو کہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ماخلق. (مسلم)

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کے ذریعہ ان تمام شر (برائیوں) سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے تخلیق فرمائی ہیں۔

مندرجہ ذیل حدیث سے بھی شگون کے بارے میں پتہ چلتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک گھر تھا جس میں بہت سے مکین تھے اور دولت کی کثرت تھی، پھر اس کے رہنے

والے کم سے کم ہو گئے اور دولت بھی ختم ہو گئی، کیا ہم اس مکان کو چھوڑ دیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دے اس پر اللہ کا غضب ہے۔ (ابوداؤد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں طیارہ کی بدشگونی (فال بد) ہے کیونکہ وہ مکان بدحالی اور تنہائی کے سبب ان کے لئے نفسیاتی طور پر ایک بوجھ بن گیا تھا۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا کیا ہے جب آدمی کو کسی چیز میں یا اس چیز سے کسی بدشگونی کا گمان ہو جاتا ہے تو وہ اس سے بہر حال دور رہنا چاہتا ہے خواہ اس میں کوئی بدفالی نہ ہو۔ یہاں یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ اس مکان کو چھوڑنے کی درخواست اس وقت کی گئی جبکہ بدشگونی سے وہ مکان متاثر ہو چکا تھا، اس کے امکانی ظہور سے قبل ایسی کوئی درخواست نہیں کی گئی تھی۔ کسی مقام یا کسی قوم پر بدفالی ظاہر ہونے پر یہ کہنا کہ اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے کوئی غلط بات نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ اپنے اعمال بد کے سبب بعض قوم یا مقام اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ اسی طرح انسان اس چیز سے محبت کرتا ہے اور اس سے قریب تر ہونا چاہتا ہے جس کے بارے میں اس کا گمان ہے کہ وہ اس کے لئے نیک شگون ہے اور کامیابی کی مظہر ہے۔ اپنے آپ میں یہ جذبہ طیارہ نہیں ہے تاہم اگر اسے غلط عقیدے کے تحت اختیار کیا جائے تو شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ جذبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب فرد کسی ایسے مقام یا شئے سے بچنا چاہتا ہے جہاں اس سے پہلے کے لوگ بدنصیبی کا شکار ہوئے تھے یا ایسی جگہ پہنچنا چاہتا ہے جہاں خوش بختی کے آثار اور امکانات ہوں، وہ شخص اس مقام یا اس چیز سے خیر وشر کا ظہور منسوب کرتا ہے اور بعض اوقات اس کی پرستش تک پہنچ جاتا ہے۔

فال۔ نیک و بدشگون:

انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طیارہ اور متعدی اثر کچھ نہیں ہے۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

لیکن فال کو پسند کرتا ہوں اس پر صحابہ نے عرض کیا۔ فال کیا ہے؟ فرمایا ایک اچھا لفظ۔ اشیاء میں بدشگونی کو ماننا گویا اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کو دل میں جگہ دینا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس میں شرک ہوسکتا ہے اگرچہ اشیاء میں نیک شگون دیکھنا اللہ رب العزت کے بارے میں ایک مثبت اندازفکر کو ظاہر کرتا ہے تاہم یہ بھی شرک کے قریب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اختیارات مخلوق سے منسوب کرنے کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب حضرت رسول آکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فال کے محدود پہلوؤں سے آگاہ کیا جو اسلامی عقیدے کی بنیاد پر قائم ہے اور قابل قبول ہے یعنی رجائیت کا پہلو لئے ہوئے الفاظ کا استعمال۔ مثلاً کسی بیمار شخص کو سالم کے نام سے پکارنا یا اگر کسی شخص کی کوئی شئے گم ہوگئی تو اسے واجد (پانے والا) کا نام دینا۔ رجائیت کا پہلو رکھنے والے ان الفاظ کے استعمال سے بے حوصلہ لوگوں میں حوصلہ اور امید پیدا ہوتی ہے، بیمار میں صحت یابی کا احساس ابھرتا ہے۔ مومنوں کو چاہئے کہ ہر موقعہ پر اللہ کے بارے میں رجائیت کا جذبہ اور عقیدہ رکھیں۔

شگون کے بارے میں اسلامی فیصلہ (حکم)

اوپر مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طیارہ سے شگون کی بابت عام احساسات کا اظہار ہوتا ہے پرندوں کی پرواز کے رخ سے شگون لینے کے نظریہ کو اسلام نے یکسر مسترد کردیا۔ جاہلی عرب کے لوگ پرندوں سے اور دیگر اقوام دوسری اشیاء سے اس قسم کے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ا- ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اور بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک بدو نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ اس متعدی (مرض) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک بیمار اونٹ گلے میں آتا ہے اور اس کی بیماری سے دوسرے اونٹ بھی بیمار ہوجاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اونٹ کو کس نے بیمار کیا۔

اس حدیث میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دور جاہلیت میں متعدی امراض کے بارے میں ان کے اس عقیدے کی نفی فرما رہے تھے جس کے تحت وہ متعدی امراض کو ارواح بد کا اثر قرار دیتے تھے۔

شگون لیتی تھیں۔ لیکن دونوں کے یہاں بنیادی نظریہ ایک ہی تھا۔ جب ان شگون کی ابتداء کے بارے میں نشان دہی کی جاتی ہے تو اس کی تہہ میں شرک نمایاں نظر آتا ہے۔ ذیل میں ان لاتعداد شگونوں کی بابت چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو مغرب میں آج کل رائج ہیں۔

درختوں پر ہاتھ مارنا:

جب کوئی شخص کسی بات کے لئے شکر گزار ہوتا ہے اور امید کرتا ہے کہ اس کی قسمت میں تبدیلی نہیں آئے گی (خوش قسمتی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گی) تب وہ کہتا ہے پیڑ کو چھوؤ اور اس پر ہاتھ مارو، وہ اس مقصد کے لئے آس پاس درختوں کو ڈھونڈھتا ہے۔ اس کی بنیاد وہ قدیم عقیدہ ہے جس کے مطابق لوگ کہتے تھے کہ دیوتا پیڑوں میں رہتے ہیں۔ دیوتاؤں سے مراد مانگنے کے لئے لوگ درختوں کو چھوتے تھے۔ اگر ان کی مراد پوری ہو جاتی تو پھر وہ اس درخت کے پاس جاتے دراسے جذبہ تشکر کے تحت چھوتے تھے۔

نمک کا بکھر جانا:

اگر نمک بکھر جاتا تو لوگ اسے بدشگونی سمجھتے تھے کہ مصیبت آنے والی ہے۔ لہٰذا وہ نمک کو بائیں کندھے پر چھڑکتے تھے تاکہ آنے والی مصیبت کو دفع کیا جا سکے۔ اس شگون کی بنیاد یہ ہے کہ نمک میں چیزوں کو تازہ رکھنے کی صفت ہوتی ہے۔ قدیم اقوام اسے ایک ساحرانہ طاقت کا عمل قرار دیتی تھیں۔ اس لئے نمک کا بکھر جانا مصیبت کا آنا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی تھا کہ ارواح بد بائیں کندھے پر قیام کرتی ہیں لہٰذا نمک چھڑک کر انہیں خوش ااور مطمئن کرنیکی کوشش کی جاتی تھی۔

آئینہ ٹوٹ جانا:

بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اتفاقاً آئینہ کا ٹوٹ جانا بدبختی کے سات سال کا شگون ہے۔ قدیم دور کے افراد یہ سمجھتے تھے کہ پانی میں ان کا عکس ان کی روح کا عکس ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پانی میں پتھر پھینکتا تو یہ سمجھا جاتا کہ ان کی روحیں بھی بکھر کر رہ گئیں۔ جب

آئینہ کی ایجاد ہوئی تو یہ شگون آئینہ سے منسوب کر دیا گیا۔

کالی بلی:

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر بلی راستہ کاٹ جائے تو یہ ان کے لئے شگون بد ہے۔ عہد وسطیٰ کے لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ کالی بلی بھوت پریت جانور ہے۔ جادوگرنی (چڑیلین) کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بلی کی کھوپڑی (بھیجہ) اور مینڈک، سانپوں اور دیگر کیڑے مکوڑوں کے اعضاء کو ملا کر جادو کرتی ہیں۔ اگر کسی جادوگرنی کی کالی بلی ان کے دوائی مرکب میں تحلیل ہوئے بغیر سات سال تک زندہ رہ جاتی تو کہا جاتا تھا کہ وہ چڑیل بن گئی ہے۔

۱۳ کا عدد (ہندسہ)

امریکہ میں ۱۳ کا عدد منحوس سمجھا جاتا ہے اور بہت سی بلڈنگوں میں ۱۳ ویں منزل کو ۱۴ ویں منزل کہا جاتا ہے۔ ۱۳ تاریخ کا جمعہ خاص کر نامبارک سمجھا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اس دن سفر نہیں کرتے، نہ اس دن اہم تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں اور اگر اس دن ان پر کوئی آفت نازل ہو جائے تو اسے وہ اسی دن کی نحوست سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ بات وہاں کے عوام تک ہی محدود نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ شاید خیال کریں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۰ء میں چاند مشن کے فلائٹ کمانڈر نے جس کا خلائی جہاز تباہ ہونے سے بال بال بچا تھا، کہا کہ اسے یہ احساس ہونا چاہئے تھا کہ کچھ ہونے والا ہے، جب اس سے پوچھا کہ اسے یہ خیال کیوں آیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ خلائی پرواز ۱۳ تاریخ جمعہ کے دن شروع ہوئی، اس کا آغاز ۱۳ ویں گھنٹہ (ایک بجے) میں ہوا اور اس کا نام بھی اپالو ۱۳ تھا۔ اس عقیدہ کی بنیاد یسوع مسیح کے آخری عشائیہ (رات کا کھانا) کی شام سے مانی جاتی ہے جیسا کہ انجیل بتاتی ہے اس عشائے ربانی میں ۱۳ افراد (حواری) شریک تھے۔ ان ۱۳ میں جودا (Juda) بھی شامل تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے یسوعؑ سے

دغا کی رشوت لے کر انہیں گرفتار کرا دیا۔ ۱۳ تاریخ کے جمعہ کو خاص طور پر دو وجہ سے نامبارک سمجھا جاتا ہے۔ مسیحی روایت کے مطابق یہ جمعہ کا دن تھا جب یسوع کو صلیب دی گئی اور عہد وسطیٰ کے عقیدہ کے مطابق جمعہ کے دن شیاطین کا اجتماع ہوتا ہے۔

ان عقیدوں کے تحت مبارک اور نامبارک احوال و واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں اللہ کی قدرت کے ساتھ اس کی مخلوق کے عمل دخل کو بھی مانا جاتا ہے۔ اسی طرح آفات سے خوف اور خوش بختی کی امیدوں میں جو اللہ تعالیٰ سے منسوب کی جانی چاہئیں غیر اللہ کو شامل کر لیا جاتا ہے۔ انہیں مستقبل اور غیب کے حالات سے باخبر بھی مانا جاتا ہے حالانکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس صفت کو اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب (غیب کے احوال جاننے والا) سے موسوم کیا ہے۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی یہ کہلوایا ہے کہ اگر میں غیب کا حال جانتا تو آنے والی آفتوں سے خود کو محفوظ کر لیتا۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ

(الاعراف: ۱۸۸)

لہٰذا شگون، (بدشگونی میں عقیدہ رکھنا توحید کے عمومی نظریہ کے تحت شرک کی ایک قسم کے ذیل میں آتا ہے۔ اس حکم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا طیارہ شرک ہے۔ (ابوداؤد) عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی طیارہ کے شگون کے پیش نظر کسی کام کو انجام دینے سے پہلوتہی کی اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ صحابہ نے عرض کیا اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: کہو۔

اللھم لا خیر الا خیرک ولا طیر الا طیرک ولا الٰہ غیرک۔

(احمد اور طبرانی)

اے اللہ ہر بھلائی تیری ہی طرف سے ہے اور کوئی شگون تیرے شگون کے علاوہ

نہیں اور نہ کوئی تیرے سوا رب ہے۔

اوپر مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طیارہ صرف پرندوں تک ہی محدود نہیں تھا اس میں دیگر تمام قسم کے عقیدے اور شگون بھی شامل تھے۔ زمان و مکان کے فرق سے ان میں اختلاف ضرور تھا لیکن بنیادی طور پر ان کی ایک ہی نوعیت تھی یعنی شرک۔

لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسے تمام جذبات و احساسات سے بچیں جو اس قسم کے عقیدوں سے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں اندازہ ہو کہ وہ غیر شعوری طور پر ان احساسات سے مغلوب ہو گئے ہیں تو انہیں اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے اور اوپر مذکور دعا کا ورد کرنا چاہئے اگرچہ بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر اس قدر شدت سے اظہار خیال کیا جائے لیکن اسلام اس موضوع پر اس لئے زور دیتا ہے کہ اس سے اس قسم کی تخم ریزی ہوتی ہے جو بالآخر الشرک الاکبر (شرک جلی) کی فصل اگاتی ہے۔ بتوں، انسانوں، ستاروں وغیرہ کی پرستش کا جذبہ یک لخت پیدا نہیں ہو جاتا، اس کے فروغ میں طویل عرصہ لگتا ہے۔ جب شرک کے جذبہ اور اعتقاد کو فروغ ہوا تو اللہ تعالیٰ کی ذات (ربوبیت) میں انسان کا عقیدہ کمزور ہو گیا۔ لہٰذا اسلام جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتا ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ اس پودے (شرک) کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اکھاڑ دیا جائے۔

☆☆☆

باب (۵)

قسمت کا حال بتانا

جیسا کہ پچھلے ابواب میں بتایا گیا۔ بنی نوع انسان میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو غیب اور مستقبل کی باتیں جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو متفرق ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں قسمت کا حال بتانے والا، نجومی جوتشی پیش گوئی کرنے والا، رمال شگون بتانے والا، ساحر (جادوگر) ہاتھ دیکھنے والا (پامسٹ) وغیرہ۔ قسمت کا حال بتانے والے اپنے عمل میں متعدد طریقے اور ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ کی لکیریں دیکھنا، زمین یا کاغذ پر سطور (لائنیں) کھینچنا، اعداد لکھنا، چائے کی پتیاں پڑھنا، ستاروں کی گردش دیکھنا، زائچہ بنانا، ہڈیاں چٹخانا، لکڑیاں پھینکنا، شفاف گولے پر نظر جمانا وغیرہ وغیرہ۔ ان طریقوں کے ذریعہ وہ معلومات حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس باب میں ہم قسمت کا حال بتانے کے فن کے مختلف طریقوں پر گفتگو کریں گے ماسوائے ساحری جس کا احوال بعد کو بیان کیا جائے گا۔

غیب کا حال بتانے کے فن پر عبور رکھنے والے یا اسے بطور پیشہ اختیار کرنے والے افراد کو دو خاص زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایسے لوگ جو اس فن میں ماہر اور کامل نہیں ہیں لیکن اپنے مریضوں (گاہکوں) کو وہ عام انداز کی باتیں بتاتے ہیں جن کے ظہور کا امکان ہمیشہ یا اکثر اوقات رہتا ہے اور اکثر لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پہلے یہ لوگ کچھ بے معنی سی حرکتیں کرتے ہیں، پھر حساب لگاتے ہیں، قیاس و قیافہ شناسی سے کام لیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی باتیں صحیح ثابت ہو جاتی ہیں کیونکہ جو باتیں وہ بتاتے ہیں وہ عام نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ ان کی صرف ان باتوں کو یاد رکھتے ہیں جو سچ ثابت ہوئیں لیکن وہ پیش گوئیاں جو غلط ثابت

ہوئیں انہیں بھول جاتے ہیں۔ یہ ذہنیت اس لئے ابھرتی ہے کہ اکثر پیش گوئیاں بہت جلد بڑی حد تک فراموش شدہ مثال بن جاتی ہیں اور ان کی یاد دوبارہ اس وقت آتی ہے جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے جو ان باتوں کو ان کے تحت الشعور سے باہر لے آتا ہے۔ مثال کے طور پر شمالی امریکہ میں دستور ہے کہ ہر سال کے آغاز پر معروف نجومیوں کی پیشین گوئیاں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔ جب ان پیشین گوئیوں کے بارے میں ایک سروے کیا گیا تو پتا چلا کہ ان میں سے صرف ۲۴ فیصد ہی صحیح ثابت ہو سکیں۔

۲۔ غیب کی باتیں بتانے والوں میں ایک جماعت ان کی ہے جو جنات سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ یہ جماعت اس لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے کہ یہ اکثر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ شرک کے جو اعمال کرتے ہیں اس سے ان کی اکثر باتیں صحیح ثابت ہو جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے بہت سے مسلم اور غیر مسلم ان کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور اس سے ایک نئے فتنہ کا آغاز ہوتا ہے۔

عالم جنات (جنات کی دنیا)

بعض لوگ جنات کے وجود سے انکار کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ قرآن عظیم میں پوری ایک سورہ (سورہ جن) موجود ہے۔ لفظ جن کے لغوی معنی پر انحصار کرتے ہوئے جس کے معنی، چھپانا ہوتے ہیں (یہ لفظ فعل جن یا جنون سے مشتق ہے) وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس سے مراد عیار بدیسی (غیر ملکی) ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جن سے مراد ایسے انسان ہیں جن کے سروں میں دماغ نہیں ہوتا، وہ آتشیں فطرت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت جنات اللہ تعالیٰ کی ایک دیگر مخلوق ہیں جو انسانوں کے ساتھ ہی سطح ارض پر رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے پہلے جنات کی تخلیق کی اور ان کے تخلیقی عناصر انسانی تخلیق مرکبات سے مختلف تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ○ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ○ (الحجر: ۲۶-۲۷)

بیشک ہم نے انسان کو خشک کی ہوئی مٹی سے پیدا کیا کالی اور صاف کی ہوئی مٹی سے اور ہم نے جنات کو اس سے پہلے ایک آتشیں ہوا سے تخلیق کیا۔

انہیں جن کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ انسانی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ ابلیس شیطان کا بھی جنات کے قبیلے سے تعلق ہے حالانکہ وہ فرشتوں میں شامل تھا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں، جب اس نے انکار کیا اور اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا:

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ○ (ص: ۷۶)

اس نے کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا جبکہ اسے (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جنات کو بغیر دھوئیں والی آگ (نار) سے۔ (مسلم)

اللہ فرماتا ہے: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ . (الکہف: ۵۰-۱۸)

(جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نافرمانی کی وہ جنات میں سے تھا۔)

لہٰذا اسے معتوب فرشتہ وغیرہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ جہاں تک جنات کے وجود کا تعلق ہے انہیں تین وسیع زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنات کی تین اقسام ہیں: ایک وہ جو ہر وقت فضا میں محو پرواز رہتے ہیں۔ دوسری وہ جو سانپوں اور کتوں کی شکل میں رہتی ہے۔ تیسری قسم وہ جو زمین پر کسی جگہ

قیام کرتی ہے یا خانہ بدوشی کے عالم میں رہتی ہے۔ (طبرانی اور الحاکم نے اسے نقل کیا ہے)

عقیدہ کی بنیاد پر بھی جنات کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (ا) مومن (۲) کافر

مومن جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ جن میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۝ يَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ۝ وَاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا۝ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا۝

(الجن ۴-۱-۲-۷)

اے نبی کہو کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا بیشک ہم نے ایک مسحور کن قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، پس ہم ایمان لے آئے ہم اپنے پروردگار کے ساتھ، کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ہمارا رب جو بے حد عظمت شان والا ہے اس کا نہ کوئی ہمسر ہے نہ اولاد ہے۔ ہمارے بعض احمق لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وہ یک سنگین قسم کا جھوٹ ہے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۝ وَّ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۝ (الجن: ۱۵-۱۴)

اور ہمارے درمیان مسلمان اور دیگر افراد میں جو انصاف پسند نہیں ہیں جس نے اسلام قبول کیا وہ ہدایت کی راہ پر آ گیا جو لوگ انصاف نہیں کرتے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

جنات میں جو کافر ہیں انہیں عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے: عفریت، شیاطین، قرین۔ اسی طرح انگریزی میں Spirts, Devils Demons, ghost وغیرہ۔ یہ کافر جنات (عفریت) انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں جو شخص ان کی بات سنتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے اسے انسانی صورت میں شیطان (شیاطین الانس) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ. (الانعام: ۱۱۲)

اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن پیدا کئے جو شیاطین ہیں انسانوں اور جنات میں سے۔)

ہر انسان کے ساتھ ایک جن رہتا ہے جسے قرین (ہم نشین) کہتے ہیں۔ یہ انسان کی زندگی میں اس کی ایک آزمائش ہے۔ یہ جن (ہم زاد) انسان کی پست خواہشات کو ابھارتا ہے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تعلق کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ یک جن رہتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا سول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے ساتھ بھی؟ (جن) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میری مدد کی اور اسے تابع بنا دیا، اب وہ مجھے صرف نیکیوں پر ہی ابھارتا ہے۔ (مسلم)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی نبوت کے معجزے کے طور پر جنات پر غلبہ عطا کیا گیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے: وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ. (النمل ۱۷-۲۷)

اور ہم نے سلیمان کو جنات، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل لشکر عطا کیا اور وہ ضبط و نظم اور منصب کے ساتھ رہتے تھے۔

لیکن کسی دوسرے کو ایسی قوت و اختیار عطا نہیں کیا گیا۔ کسی شخص کو جنات پر غلبہ حاصل نہیں اور نہ ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گذشتہ شب ایک عفریت نے میری نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ نے مجھے اس پر غلبہ حاصل کرنے کی طاقت عطا کی۔ میں چاہتا تھا کہ اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح کو تم اسے دیکھ سکو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو حاصل

نہ ہو۔(بخاری)

کوئی انسان جنات پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ایک معجزہ تھا جو ایک نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ درحقیقت جنات سے رابطہ اتفاقاً یا وہ جس پر جن آتے ہوں، کے علاوہ انتہائی غلط اور حرام طریقوں سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ دین میں ایسے حربے استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (جنات پر ابن تیمیہ کے مقالات۔ از ابوامینہ بلال فلپ مصنف) اس طریقہ (حاضرات) ہیں۔ برائی یہ ہے کہ شیاطین جن ان لوگوں کو گناہوں میں ملوث کر کے اللہ تعالیٰ پر ان کے ایمان کو برباد کردیتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس گناہ میں شریک کریں، اللہ کا شریک ٹھہرائیں یا اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کریں۔

جب قسمت کا حال بتانے والوں کا ایک بار جنات سے رابطہ قائم ہوجاتا ہے تو وہ انہیں مستقبل کے بارے میں کچھ باتیں بتا دیتے ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جنات مستقبل کے بارے میں علم کیسے حاصل کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنات آسمانوں کے نچلے حصوں تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں اور فرشتے مستقبل کے امور کے بارے میں آپس میں جو باتیں کرتے ہیں ان میں سے کچھ کو سن لیتے ہیں۔ زمین پر واپس آکر جنات یہ معلومات اپنے انسانی موکلوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ (بخاری) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک یہ سلسلہ جاری تھا اور قسمت کا حال بتانے والے بہت سی باتیں سچ بتا دیتے تھے۔ اپنی اس مہارت کے سبب انہیں بادشاہوں کے دربار میں اعزاز حاصل ہوتا تھا، لوگ ان سے عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور بعض علاقوں میں تو ان کی پرستش تک کی جاتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد صورت حال تبدیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کے طبقات سفلی کی خصوصی حفاظت کے لئے فرشتوں کو مامور فرمایا اور وہ شہاب ثاقب جیسے ستاروں کی مار سے ان کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس صورت حال کو ایک جن کی زبانی یوں بیان فرمایا ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ○ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ (الجن: ۹)

ہم جنات نے آسمانوں تک رسائی کی کوشش کی لیکن وہاں سخت نگرانی و نگہبانی ہے ہم باتیں سننے کے لئے بلند مقامات پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی جاتا ہے تو شعلے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○ (الحجر: ۱۷-۱۸)

اور ہم نے آسمانوں کو تمام شیاطین مردود کی رسائی سے محفوظ کردیا ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی وہاں سے کچھ بات چوری چھپے سن لیتا ہے تو تیز شعلے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند صحابہ بازار عکاظ کی جانب گئے تو آسمانوں پر شیاطین کو معلومات حاصل کرنے سے روک دیا گیا۔ شہاب ثاقب کے ذریعہ ان کا تعاقب کیا گیا تب وہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹ آئے، جب ان لوگوں نے ان سے بے نیل مرام واپسی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کچھ نہ کچھ ہوا ہے، پھر وہ سبب معلوم کرنے کے لئے زمین پر ہر طرف پھیل گئے۔ ان میں سے کچھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تک بھی پہنچے جو اس وقت نماز ادا کررہے تھے۔ انہوں نے قرآن عظیم کو سنا تب انہوں نے کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آسمان تک ہماری رسائی روک دی گئی ہے۔ جب وہ اپنے لوگوں کے درمیان واپس پہنچے تو انہوں نے انہیں بتایا بلاشبہ ہم نے ایک مسحور کن قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے پس ہم ایمان لے آئے۔ اب ہم کبھی اپنے رب کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ (بخاری)

لہٰذا اب شیاطین کے لئے آسمان سے مستقبل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا

آسان نہیں رہا جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھا۔ چنانچہ اب انہوں نے اپنی معلومات میں کذب کی آمیزش شروع کردی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ (شیاطین) زمین کی طرف بھیجتے ہیں جو انجام کار جادوگروں اور قسمت کا حال بتانے والوں کی زبان پر آجاتی ہے۔ بعض اوقات ان کے معلومات حاصل کرنے سے قبل بھی ستارہ ان کا تعاقب کرکے انہیں بھگا دیتا ہے اور وہ معلومات اپنے لوگوں تک نہیں پہنچا پاتے۔ اگر وہ کچھ اطلاعات فراہم کرتے بھی ہیں تو اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹی باتیں بھی شامل کردیتے ہیں۔ (بخاری) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسمت کا حال بتانے والوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ قسمت کا حال بتانے والے کچھ ایسی باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو سچی ثابت ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ باتیں ہوتی ہیں جو شیاطین ان کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ ان میں بہت سی جھوٹی باتیں بھی شامل کردیتے ہیں۔ (بخاری)

ایک بار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت شخص ان کے قریب سے گزرا، آپ نے فرمایا: اگر میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں تو یہ شخص اب بھی اپنے دور جاہلیت کے عقیدے پر قائم ہے۔ شاید یہ وہی شخص ہے جو لوگوں کو قسمت کا حال بتایا کرتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو ان کے پاس لایا جائے وہ حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ سے اس بارے میں سوالات کئے۔ اس نے کہا میں نے زندگی میں کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ ایک مسلمان سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بہرحال تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تب اس شخص نے اعتراف کیا کہ زمانہ جاہلیت میں وہ قسمت کا حال بتاتا تھا۔ اس پر حضرت عمر نے اس سے پوچھا یہ بتاؤ وہ سب سے یادہ

عجیب وغریب چیز کیا تھی جو تمہاری جناتنی نے تمہیں بتائی۔ اس نے جواب دیا ایک بار میں بازار میں تھا کہ وہ (جناتنی) میرے پاس آئی وہ بہت زیادہ پریشان تھی، اس نے کہا کیا تم نے رسوائی کے بعد جنات کی مایوسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اونٹنیوں اور ان کے سواروں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے بات کاٹتے ہوئے کہا یہ سچ ہے۔ (جب جنات کو آسمان سے معلومات حاصل کرنے سے روک دیا تو وہ عربوں کی اونٹنیوں کے پیچھے دوڑتے تھے تاکہ معلوم کر سکیں کہ انہیں معلومات حاصل کرنے سے کیوں محروم کر دیا گیا)

جنات میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنے انسانی موکلوں کو مستقبل کی بابت کچھ بتا دیں۔ مثلاً جب کوئی شخص قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جاتا ہے تو اس کا موکل جن اس شخص کے قرین (ہم زاد جن) سے معلومات حاصل کر لیتا ہے کہ اس کی آمد سے پہلے کیا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ تب قسمت کا حال بتانے والا اس شخص کو بتاتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا ویسا کرے گا، یہاں جائے گا وہاں جائے گا۔ اس طریقہ سے قسمت کا حال بتانے والا اس اجنبی کے ماضی کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کر لیتا ہے وہ اس اجنبی (قسمت کا حال معلوم کرنے والے) کو اس کے والدین کے نام، اس کی جائے پیدائش اس کے بچپن کے واقعات وغیرہ کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ اس تفصیل سے ماضی کا حال بتانا جیوتشی کا اصلی ہنر ہے جس نے جن سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ جنات میں طویل سفر چشم زدن میں طے کرنے پوشیدہ باتوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے نیز گم شدہ اشیاء کا پتا لگانے اور ایسے واقعات کو جاننے کی صلاحیت ہوتی ہے جو ابھی مشاہدہ میں نہیں آئے۔ اس کے ثبوت کے طور پر قرآن عظیم کی حضرت سلیمان اور ملکہ سبا بلقیس کے بارے میں آیات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب ملکہ سبا ان کے پاس آنے والی تھی تو سلیمانؑ نے جنات سے کہا کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت شاہی اس کے دارالسلطنت سے یہاں لے آیا جائے، اس پر جنات میں سے ایک عفریت نے کہا کہ آپ کے اٹھنے سے پہلے میں تخت

لے آؤں گا۔ بلاشبہ میں طاقت ور اور اس کام کے لئے موزوں ہوں۔

قسمت کا حال بتانے سے متعلق شریعت کا حکم:

کیونکہ اس قسم کی باتوں میں دین کی رسوائی اور کفر و بدعت کا عنصر نمایاں ہے اس لئے اسلام نے اس کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا ہے۔ اسلام نے قسمت کا حال بتانے والوں سے کسی قسم کے رابطہ کی ممانعت کی ہے ماسوائے اس کے کہ ان کو تلقین کی جائے کہ وہ اپنے اس حرام پیشے کو ترک کر دیں۔

قسمت کا حال بتانے والوں سے رابطہ:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اصول مقرر فرما دئے ہیں جن سے قسمت کا حال بتانے والوں سے رابطہ کی ممانعت واضح ہوتی ہے۔ سفیان نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی قسمت کا حال بتانے والوں کے پاس جائے گا ور ان سے معلومات حاصل کرے گا اس کی چالیس شب وروز کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ (مسلم) اس حدیث میں ان کے لئے سزا کا ذکر ہے جو قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جاتے ہیں اور تجسس کے تحت اس سے سوالات کرتے ہیں۔ اس ممانعث کی تائید معاویہ بن الحکم السلامی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ ہمارے درمیان کچھ لوگ ہیں جو غیب کی باتیں بتانے والوں کے پاس جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کے پاس مت جاؤ۔ (مسلم) یہ سزا صرف قسمت کا حال بتانیوالوں کے پاس جانے والوں کے لئے ہے کیونکہ غیب دانی میں عقیدہ رکھنے کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔ جب کوئی شخص تذبذب کے عالم میں کسی قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جاتا ہے اور اس کی بتائی ہوئی بعض باتیں سچ ثابت ہو جاتی ہیں تو وہ شخص قسمت کا حال بتانے والے کا معتقد ہو جاتا ہے اور اس علم غیب دانی میں اس کا اعتقاد پختہ ہو جاتا

ہے۔وہ شخص جس نے قسمت کا حال بتانے والے سے رابطہ قائم کیا اسے چالیس دن تک اپنی نمازوں کا اہتمام برقرار رکھنا چاہئے اگرچہ اس عرصہ میں اسے اپنی نمازوں کے ثواب (جزا) سے محروم رہنا پڑے گا، اگر اس دوران اس نے ادائیگی نماز ترک کر دی تو وہ ایک اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ یہ چوری کی ہوئی چیز پر یا اس میں نماز پڑھنے کے حکم کے مماثل ہے جس پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے ان کا فتویٰ ہے کہ جب فرض نماز ادا کی جاتی ہے تو اس کے عموماً دو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱-فرد سے ادائیگی کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔(کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گیا)

۲-وہ ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اگر کسی مسروقہ شئے پر یا اس مسروقہ جگہ میں نماز ادا کی جائے تو فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن وہ نماز کے اجر سے محروم رہے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز دوبارہ ادا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

قسمت کا حال بتانے والوں کا معتقد ہونا:

غیب دانی کا دعویٰ کرنے والوں سے ربط رکھنا اور یہ سمجھنا کہ وہ غیب کا حال جانتے ہیں اسلامی شریعت کے مطابق کفر کے ذیل میں آتا ہے۔ ابو ہریرہ اور الحسن دونوں سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے قسمت کا حال بتانے والوں سے ربط رکھا اور ان کی باتوں پر یقین کیا تو اس نے اس کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔(تیسیر العزیز الحمید میں نووی سے نقل کیا گیا) یہ عقیدہ اللہ کی صفات عالم الغیب کو اس کی مخلوق سے منسوب کرتا ہے اور اس طرح یہ توحید الاسماء والصفات کی نفی کرتا ہے اور توحید کے ایک پہلو کا انکار اس سے لازم آتا ہے۔

کفر کے اس فتویٰ کے تحت قیاس کی رو سے قسمت کا حال بتانے والی کتابیں جرائد

وغیرہ پڑھنا، ریڈیو پر ان کی باتیں سننا، ٹیلی ویژن پر انہیں دیکھنا وغیرہ آتے ہیں کیونکہ بیسویں صدی میں یہی ذرائع ابلاغ قسمت کا حال بتانے والوں کے لئے اپنی مصنوعات کی تشہیر کا مقبول ترین وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اسے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ غیب اور مستقبل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَط (الانعام: ۵۹-۶)

(اور اسی کے پاس غیب کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی اسے نہیں جانتا)

پھر اس نے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلاَ ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ج وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ج (الاعراف ۱۸۸-۷)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے بارے میں کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے جو اللہ چاہے، اگر میں غیب کا حال جانتا تو اپنے لئے بہت سی نیکیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی ضرر نہ پہنچتا۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ.(النمل ۶۵-۲۷)

(کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں غیب کا حال اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا)

لہٰذا سطح ارض پر غیب دانی یا قسمت کا حال بتانے وغیرہ کے جتنے طریقے اور حربے ہیں مسلمانوں کے لئے ان سے واسطہ رکھنا یا ان پر اعتقاد کرنا حرام ہے۔ ہاتھ کی لکیروں سے قسمت کا حال بتانا، آئی چنگ فارچون کوکی۔ چائے کی پتیاں، بروج سماوی کا علم (برج حمل، برج قوس، برج اسد، برج جوزا، برج حوت۔ ۱۲ بروج سماوی جو علم نجوم کی بنیاد فراہم کرتے ہیں) کمپیوٹر کے ذریعہ مستقبل کا گوشوارہ مرتب کرنا وغیرہ یہ تمام باتیں جو مستقبل یا غیب کا حال بتانے کا دعویٰ کرتی ہیں اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان ۳۴-۳۱)

قیامت کے بارے میں صرف اللہ ہی جانتا ہے وہی آسمانوں سے بارش برساتا ہے اور رحم مادر میں کیا ہے یہ بھی وہی جانتا ہے کوئی نہیں جانتا کل اس پر کیا بیتے گی اور نہ کسی کو اس کا علم ہے کہ اسے کس جگہ موت آئے گی۔ صرف اللہ ہی علیم وخبیر ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو ایسی کتابیں رسالے مضامین جو قسمت کا حال بتانے سے متعلق ہیں کا مطالعہ کرنے یا ایسے افراد سے جو کسی نہ کسی شکل میں غیب داں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں پوری طرح دور رہنا چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی مسلمان موسم کا حال بتائے دوسرے دن بارش ہونے برف باری، یا موسم کے بارے کوئی اور پیش گوئی کرے تو اسے انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیئے۔ اسی طرح جب کوئی لیڈی ڈاکٹر کسی خاتون کو بتائے کہ اس کے ہاں ۹ ماہ میں ولادت ہوگی یا فلاں تاریخ تک ہوگی تو اسے بھی انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیئے۔ اس طرح یہ پیش گوئی ایک اطلاع بن جاتی ہے جس کا ظہور پذیر ہونا اللہ کی منشاء پر منحصر ہے۔

☆☆☆

باب (٦)

علم نجوم کے بارے میں

ماضی کے مسلم فضلاء نے ستاروں اور سیاروں کی گردش کے حساب کو یکجا طور پر تنجیم سے تعبیر کیا اور اسلامی شریعت کے مطابق اس کا تجزیہ اور درجہ بندی کرنے کے لئے اسے تین اہم شعبہ جات میں تقسیم کر دیا۔

۱- پہلا زمرہ اس نظریہ پر مبنی ہے کہ سطح ارض پر رہنے والے لوگ اجرام سماوی کی نقل وحرکت سے متاثر ہوتے ہیں اور ستاروں سیاروں کی گردش کا مطالعہ کر کے مستقبل میں ان کے اثرات کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ (تیسیر العزیز الحمید) اس عقیدہ کی ابتداء کے بارے میں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح میں میسوپوٹیمیا (عراق) میں اس کا آغاز ہوا اسے علم نجوم کہا گیا۔ یونانی تہذیب کے دائرہ میں اس علم کو بہت فروغ ہوا۔ میسوپوٹیمیا سے یہ علم چھٹی صدی قبل مسیح میں چین اور ہندوستان پہنچا۔ چین میں اس سے صرف پیشین گوئی کا کام لیا جاتا تھا۔ میسوپوٹیمیا میں اس علم کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی اور اختر شناسی میں بادشاہ کے اقبال وعظمت اور ملک کی خوشحالی و بہبودی کی بابت شگون ان اجرام سماوی سے حاصل کئے جاتے تھے۔ میسوپوٹیمیا کے لوگ اس عقیدے کے حامل تھے کہ یہ اجرام فلکی طاقتور دیوتا ہیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں جب ان اجرام فلکی کے دیوتاؤں (طاقتوں) کو یونان میں روشناس کرایا گیا تو وہاں علوم فلکیات سے رغبت کا رجحان تیزی سے بڑھا۔ وہاں اختر شناسی کا یہ علم دربار شاہی سے گزر کر ان افراد اور حلقوں تک بھی پہنچ گیا جو اس تک رسائی کی استطاعت رکھتے تھے۔

دو ہزار سال سے زیادہ کے عرصہ تک علم فلکیات کو اس وقت کے مسیحی یوروپ میں مذہب فلسفہ اور بت پرستی کے عقیدہ پر غلبہ حاصل رہا۔ دانتے اور سنت تھامس اکیناس جو

یوروپ کی ۱۴ ویں صدی عیسوی کے ادیب وفلاسفر تھے ان کے فلسفہ ونظریات میں نجوم کے اسباب وعلت کو تسلیم کیا گیا۔ قدیم عہد کے صابی بھی اسی عقیدہ کے حامل تھے جن کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ صابی قوم سورج، چاند، ستاروں کو معبود (دیوتا) قرار دیتی تھی اور انہیں سجدہ کرتی تھی انہوں نے ایسے عبادت خانے بھی تعمیر کیے جہاں ان اجرام سماوی کی تماثیل اور تصویریں رکھی جاتی تھیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اجرام فلکی کی ارواح ان بتوں میں حلول کرتی ہیں اور لوگوں کی طلب اور تمناؤں کو پورا کرتی ہیں۔ (تیسیر العزیز الحمید) علم نجوم کے اس پہلو کو اسلام میں کفر قرار دیا گیا کیونکہ اس سے توحید الاسماء والصفات کا عقیدہ شدید مجروح ہوتا ہے۔ مشرکین کے اس عقیدہ کے تحت اجرام فلکی کہکشاں، ثوابت وسیار کو بعض خدائی اختیارات بھی دیدیئے گئے۔ ان میں سب سے اہم عقیدہ قدر (تقدیر) کی بابت تھا۔ جو لوگ علم نجوم (جوتش ودیا) پر عمل کرتے ہیں وہ بھی کافر ہیں کیونکہ وہ غیب یعنی مستقبل کا حال جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ مستقبل کے احوال سے واقف ہے۔ غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے یہ جیوتشی نجوی ان لوگوں کو جو ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں ایسی باتیں بتاتے ہیں جس سے وہ اس آفت سے بچ سکیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کردی ہے اور وہ راحت یا تحفظ حاصل کرسکیں جسے اللہ رب العزت کی رضا حاصل نہیں ہے۔ علم نجوم (جیوتش ودیا) اس حدیث کی رو سے بھی حرام قرار پاتا ہے جسے ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اختر شناشی (نجوم) کے کسی بھی زمرہ کا علم حاصل کرنا جادو (سحر) کا علم حاصل کرنے جیسا ہے جو شخص جس قدر اس علم میں مہارت حاصل کرتا ہے اسی قدر زیادہ وہ گناہوں میں پھنستا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

۲- اس علم کی دوسری شاخ وہ ہے جس کے حامل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی اجرام فلکی کی گردش اہل دنیا کے احوال وامور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ (تیسیر العزیز الحمید) یہ دلیل وہ مسلمان ماہرین فلکیات پیش کرتے تھے جو یہ علم حاصل کرتے اور

اسے بطور پیشہ اختیار کرتے تھے۔ دربار خلافت میں نجومیوں کا عمل دخل اموی خلفاء متاخرین اور خلفاء عباسیہ متقدمین کے دور سے شروع ہوا۔ ہر خلیفہ کے ساتھ ایک نجومی رہتا تھا جو اسے اس کے روزمرہ کے احوال سے واقف کرتا اور آنے والی آفات سے آگاہ کرتا تھا۔ کیونکہ عامۃ المسلمین علم نجوم کو شرک وکفر سے منسوب کرتے تھے۔ لہٰذا مصالحت کی ایک راہ اختیار کی گئی تاکہ اس علم کو اسلامی عقائد ونظریات کے تحت قابل قبول بنا کر پیش کیا جائے۔ یہ کارستانی ان مسلمان نجومیوں کی تھی جو اسے بطور پیشہ اختیار کرتے تھے۔ اس کے مطابق نجومی کی پیشین گوئیوں کو منشائے الٰہی قرار دیا گیا لیکن یہ تاویل بھی اسلامی عقیدہ کی رو سے حرام ٹھہرتی ہے اور اس پر یقین رکھنے اور عمل کرنے والا کافر قرار پائے گا کیونکہ اس تاویل اور پہلے عقیدے میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے جو قدیم دور کے مظاہر پرست مانتے تھے۔ اس علم میں اللہ کی بعض صفات کو اجرام فلکی سے منسوب کیا جاتا ہے اور جو لوگ ان کی گردش کا مشاہدہ کر کے مستقبل کا حال بتاتے ہیں وہ خود کو صفت خداوندی کا حامل سمجھتے ہیں کیونکہ مستقبل کا حال صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن علماء متاخرین نے ان افکار و عقائد پر احکام شریعت کا اطلاق کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا۔ شاید اس لئے کہ مسلمانوں میں عام طور پر نجوم پر عقیدہ رکھنے والے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔

۳۔ اس علم کا تیسرا اور آخری زمرہ وہ ہے جو ملاح سمندر میں سمت سفر متعین کرنے کے لئے بروئے کار لاتے ہیں۔ صحرا میں سفر کرنے والے ستاروں کی گردش اور مشاہدے سے اپنی منزل کا پتا معلوم کرتے ہیں اور کاشتکار موسم کا حال جاننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ فصل (بیج بونے) کا کام شروع کر سکیں۔ (تیسیر العزیز الحمید) اس علم کا یہی وہ زمرہ ہے جسے قرآن وسنت کے مطابق حلال (جائز) قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا استعمال مثبت انداز سے با مقصد باتوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ قرآن عظیم کی مندرجہ ذیل آیت سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.

(الانعام: ۹۷)

یہ اللہ ہی ہے جس نے خشکی وتری کے اندھیروں میں ستاروں کو تمہارا رہنما بنایا۔

امام بخاری نے معروف تابعی قتادہ کی یہ وضاحت نقل کی ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو سمت واطراف کی نشان دہی اور شیاطین کو سنگسار کرنے کے لئے رہنما بنایا۔ پس جو شخص ان اجرام سماوی سے اس سے زیادہ کسی اور شئے کا طالب ہوتا ہے وہ شدید گمراہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسا شخص بدنصیب ہے جس نے زندگی کی نیکیوں سے خود کو محروم کر لیا۔ اور ایسی باتیں کہنے اور بتانے کا دعویٰ کرنے لگا جن کا اسے کوئی علم نہیں ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اس قسم کا ادعا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے نابلد ہیں۔ یہ لوگ ستاروں سے غیب دانی کا علم حاصل کرنے کے مدعی ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اگر شادی کرو گے تو فلاں ستارہ کے زیر اثر آ جاؤ گے۔ فلاں وقت سفر کرو گے تو فلاں فلاں ستاروں کی گردش تم پر اثر انداز ہوگی۔ سچ پوچھو تو ہر ستارے کے ساتھ ایک سرخ کالا طویل القامت یا پست خوبصورت یا بدصورت جانور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ان کی یہ سب باتیں فضول ہیں نہ ستارے، جانور، پرندے اور وہ خود غیب کا حال جانتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ وہ علم غیب کسی کو سکھاتا تو آدم کو سکھاتا۔ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا، فرشتوں سے سجدہ کرایا اور تمام اشیاء کے ناموں کا علم ودیعت فرمایا۔ حضرت قتادہ نے ستاروں سے استفادہ کرنے کی بابت جو حدود متعین کی ہیں وہ قرآن عظیم کی سورہ الانعام کی آیتِ ۹۸ پر مبنی ہیں جس کا ذکر پہلے کیا گیا۔ نیز یہ مندرجہ ذیل آیات قرآنی کی روشنی میں بھی بتائی گئی تھیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْماً لِّلشَّيٰطِيْنِ.

(الملک: ۵)

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت عطا کی اور انہیں شیاطین کو سنگسار کرنے کے لئے بھی ذریعہ بنایا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

کہ شیاطین آسمان دنیا تک پہنچ کر فرشتوں کی ان باتوں کی سن گن لے لیتے تھے جب وہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے سلسلے میں باہم گفتگو کرتے تھے۔ پھر یہ جنات زمین پر اتر کر اپنے ان انسان موکلوں کو جو مستقبل کا حال بتاتے تھے یہ معلومات پہنچا دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان شیاطین کا راستہ روکنے کے لئے شہاب ثاقب کا استعمال کیا اور اب صرف شاذ و نادر ہی یہ شیاطین آسمان تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قسمت کا حال بتانے والوں کی پیشین گوئیوں میں تھوڑا سا سچ اور بہت زیادہ جھوٹ ہوتا ہے۔ (بخاری) لہٰذا مسلمانوں کو اجرام فلکی سے صرف اسی حد تک استفادہ کرنا چاہئے جس کی اجازت اللہ رب العزت نے دی ہے اور اس کے تین زمرے اس مضمون کے آغاز میں بیان کئے گئے ہیں یا پھر وہ شعبے جو ان سے متعلق ہیں۔

مسلمان منجمین کے دلائل:

جو مسلمان نجومی اس پیشہ میں فعال تھے انہوں نے اس کا جواز ثابت کرنے کے لئے بعض آیات قرآنی کا سہارا لیا۔ مثلاً عصر حاضر میں منطقۃ البروج (Zodiacal signs) کا جواز ثابت کر کے قرآن عظیم کی سورۃ البروج کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا (علامہ عبداللہ یوسف مفسر قرآن) اور سورہ کی ابتدائی آیت وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (اس آسمان کی قسم جس میں برج بنائے گئے ہیں) کو دلیل بنایا۔ بلا شبہ بروج کی یہ تعبیر اور ترجمہ صحیح نہیں ہے یہ گمراہ کن ہے۔ اس لفظ بروج سے مراد ستاروں کا جھرمٹ ہے نہ کہ منطقۃ البروج۔ یہ شکلیں منطقۃ البروج بابل اور یونان کے قدیم عقیدے کے مطابق ان اجرام سماوی کے فرضی ہیولے ہیں جو ان اقوام نے ستاروں کی شکلیں بنا کر ترتیب دئے تھے۔ لہٰذا ان آیات قرآنی کو کسی بھی صورت میں مظاہر پرست اقوام کے عقیدہ ستارہ پرستی اور اصنام پرستی کا جواز ثابت کرنے کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ منطقۃ ا

لبروج میں جو شکلیں بنائی گئی ہیں وہ ان ستاروں کی شکل و ہیئت کے مطابق نہیں ہیں۔ اتنا ہی نہیں وقت گزرنے کے ساتھ ان ستاروں کی گردش انہیں ان کے اس مقام اور ہیئت کو بھی تبدیل کر دے گی۔

عصر اول میں خلفاء کے دربار میں نجومیوں کا جواز ثابت کرنے کے لئے سورہ النحل کی یہ آیات پیش کی جاتی تھیں: وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ۝

علامات اور ستاروں کے ذریعہ ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ (النحل:١٦)

مسلم منجمین یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ستارے ایسی علامات ہیں جو عالم غیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس علم کے ذریعہ لوگوں کو ان کے مستقبل کے بارے میں آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ جنہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجمان القرآن کے لقب سے موسوم فرمایا کا کہنا ہے کہ یہ نشانیاں جو ان آیات میں مذکور ہیں وہ سڑکوں پر بتائے گئے رہنما نشانات و علامات کی طرح ہیں ان کا ستاروں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ انہوں نے مزید وضاحت کی کہ یہ آیت کہ ستاروں سے ان کی صحیح رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت صحرا اور سمندر میں ان ستاروں سے صحیح سمت سفر کا تعین کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس آیت کا ترجمہ سورہ الانعام کی آیت ۹۸ کے مفہوم کے مطابق ہی ہے۔

گردش اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے اور پھر ان سے نتائج اخذ کرنے کا نام نہاد علم نجوم اور اس کے جواز کو آیات قرآنی سے ثابت کرنا کسی بھی عنوان سے درست نہیں ہے۔ اس سے ان متعدد آیات قرآنی کی نفی ہوتی ہے جن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ مستقبل کا حال صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ نیز وہ احادیث جن میں علم نجوم کو حاصل کرنے اور اس سے متعلقہ دیگر علوم کی تحصیل کی ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے علوم نجوم کے کسی زمرہ کا علم حاصل کیا اس نے جادو کی شاخ کا علم حاصل کیا۔ ابو محجن نے بھی روایت ہے کہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے بعد اپنی امت کے بارے میں جس بات سے ڈرتا ہوں وہ ان کے قائدین کی ناانصافی لوگوں کا علم نجوم میں عقیدہ اور اللہ کی تقدیر کا انکار ہے۔ (ابن عساکر نے اسے نقل کیا ہے اور سیوطی نے اس کی تائید کی ہے) لہٰذا اسلام میں علم نجوم میں عقیدہ رکھنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جو کوئی بھی دین کی تعلیمات میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کرتا ہے یا صحیفہ آسمانی کی آیات کی من مانی تشریح کرتا ہے وہ دراصل یہودیوں کی پیروی کرتا ہے جنہوں نے توراۃ کی آیات کو اس کے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے اس کے معنی میں تحریف کی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ النساء)

زائچہ بنانے کے بارے میں شریعت کا حکم:

نہ صرف علم نجوم میں عقیدہ رکھنا حرام ہے بلکہ اس کی پیشین گوئیوں کے بابت کتابیں رسالے وغیرہ پڑھنا، نجومیوں کے پاس جانا، ان کی باتیں سننا، ان کی پیشین گوئی پر یقین کرنا یا اپنے زائچہ (جنم پتری) کو پڑھنا جیسی تمام باتیں شریعت میں ناجائز اور حرام ہیں، کیونکہ نجومیوں کا اصل کام مستقبل کا حال بتانا ہے۔ لہٰذا عرف عام میں انہیں قسمت کا حال بتانے والا کہا جاتا ہے۔ جو اس پیشے کو اختیار کرتا ہے اور جو کوئی نجومی جوتشی سے زائچہ بنواتا ہے اسے پڑھتا ہے وہ بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے دائرہ میں آتا ہے جس میں کہا گیا کہ جس شخص نے کسی نجومی سے رابطہ قائم کیا اور اس سے قسمت کا حال دریافت کیا اس کی نماز چالیس دن تک مقبول نہیں ہوگی۔ (ام المومنین حضرت حفصہؓ کی روایت ہے اسے بخاری نے نقل کیا ہے) جیسا کہ سابقہ باب میں بیان کیا گیا یہ سزا اس شخص کے لئے ہے جو کسی نجومی کے پاس گیا اور اس سے قسمت کا حال پوچھا خواہ اس شخص کے دل میں اس نجومی کی باتوں کے بارے میں شکوک وشبہات ہی کیوں نہ ہوں اور وہ اس تذبذب میں مبتلا ہے کہ کیا اللہ کے سوا دوسرے بھی غیب اور مستقبل کا حال جانتے ہیں۔ اس کا یہ تذبذب اسے شرک تک پہنچا دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. (الانعام: ۵۹)

غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (النمل: ۶۵)

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں غیب کی باتیں اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ اگر کوئی شخص اپنے زائچہ کی باتوں میں یقین کرتا ہے خواہ وہ کسی منجم نے بتائی ہوں یا علم نجوم کی کتابوں میں لکھی ہوں تو وہ شخص براہ راست کفر کا مرتکب ہوگا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نجومی سے رابطہ قائم کرتا ہے یا اس کی باتوں پر یقین کرتا ہے تو وہ اس میں کفر کا مرتکب ہوتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ (یعنی قرآن عظیم) سابقہ احادیث کی طرح اس حدیث میں بھی قسمت کا حال بتانے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس ضمن میں نجومی بھی آجاتے ہیں جو مستقبل کے بارے میں بتاتے ہیں۔ نجومیوں کے دعوے بھی اسی طرح توحید کے خلاف ہیں جیسے قسمت کا حال بتانے والوں کے نجومی یہ کہتا ہے کہ لوگوں کی تقدیر ستاروں کی گردش پر انحصار کرتی ہے، ان کے مستقبل کے احوال اور زندگی کے امور ستاروں میں درج ہیں۔ قسمت کا حال بتانے والا ایک عام جیوتشی دعویٰ کرتا ہے کہ چائے کی پیالی کہ تہہ میں پڑی چائے کی پتیاں یا کسی شخص کی ہتھیلی کی لکیریں اس کی قسمت کا حال بتاتی ہیں۔ ان دونوں مثالوں میں افراد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق کردہ اجرام و اشیاء کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے غیب کا حال بتا سکتے ہیں۔

علم نجوم میں عقیدہ رکھنا یا زائچہ کی تحریر میں یقین کرنا دونوں باتیں اسلام کی تعلیمات اور ان کی روح سے براہ راست متصادم ہیں۔ یہ ایک ایسی مردہ روحیں ہیں جو ایمان کی حرارت سے آشنا نہیں ہیں، اس لئے ان راستوں پر قدم بڑھاتی ہیں۔ یہ راستے اللہ کی تقدیر سے بچنے کی ایک سعی نامسعود ناکام کی طرف لے جانے کے وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو وہ

آج سے ہی احتیاطی تدابیر شروع کر دیں گے۔ اس طرح آفات سے محفوظ رہنے اور بھلائی کی راہ نکل آئے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الاعراف: ۱۸۸)

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر مجھے غیب کا حال معلوم ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائی (نیکیاں) جمع کر لیتا اور کوئی آفت مجھ پر نہ آتی۔ لیکن مجھے تو ایمان والوں کے درمیان ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔)

لہٰذا ایمان واثق رکھنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے دور رہیں۔ ایسی انگوٹھیاں زنجیریں (چین) وغیرہ جن پر بروج کی مفروضہ تصویریں کندہ ہوتی ہیں ہرگز نہ پہنیں خواہ وہ ان باتوں میں عقیدہ نہ رکھتے ہوں پھر بھی انہیں استعمال نہ کریں۔ کیونکہ یہ چیزیں اس مفروضہ عقیدہ اور رواج کا لازمی جزو ہیں جو کفر کی ترویج کرتا ہے۔ لہٰذا اسے پوری طرح مسترد کر دینا ضروری ہے۔ کسی راسخ العقیدہ مومن کو کسی دوسرے سے یہ نہیں پوچھنا چاہئے کہ منطقۃ البروج ہیں اس کا برج کون سا ہے اور نہ خود اپنے بارے میں ایسا تجسس کرنا چاہئے اور نہ کسی مسلمان مرد، عورت کے لئے زائچہ بنوانا، اسے پڑھنا یا اخبارات میں قسمت کا حال بتانے والے کالم کو پڑھنا یا سننا جائز ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان باتوں پر عقیدہ رکھتا ہے تو اسے اللہ سے توبہ کرنی چاہئے اور ایمان کی تجدید کرنی چاہئے۔

☆☆☆

باب (٦)

سحر (جادو) کے بارے میں

سحر کی تعبیر یوں کی جا سکتی ہے کہ مافوق الفطرت عناصر سے مذہبی رسوم کی ادائیگی کے ساتھ دعا کر کے فطری طاقتوں پر مفروضہ غلبہ حاصل کرنا یا ان کی بابت پیش بینی کے فن پر عبور کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ انسان بعض مذہبی رسوم ادا کر کے یا بعض ارکان یا افعال کی ادائیگی کے ذریعہ فطرت پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ (ایڈزڈائی جسٹگریٹ انسائیکلوپیڈیائی ڈکشنری) فطری ماحول کا مطالعہ جسے روایتی طور پر سفید جادو یا فطری جادو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مغربی معاشرہ میں ترقی پا کر ماڈرن نیچرل سائنس (جدید فطری علوم) کے طور پر سامنے آیا۔ یہ اس فن سے ممتاز ہے جسے کالا جادو (بلیک میجک) کہا جاتا ہے۔ اس میں ذاتی مفاد یا ناپاک مقصد اور ارادے سے مافوق الفطرت طاقتوں کو پکارا جاتا ہے۔ اس فن کی اصطلاح میں اسے جادو غیب دانی، یا مردوں سے مکالمہ کہا جاتا ہے جو اس فن اور اس کے عالموں کے لئے عام اور معروف اصطلاحات ہیں۔ جادوگری کا وہ فن جسے عورتیں استعمال کرتی ہیں اسے Witchcraft کہا جاتا ہے یہ عورتیں جادوگرنیاں، چڑیلیں یا ڈائنیں وغیرہ کے نام سے معروف ہوتی ہیں۔ Divinition مستقبل شناسی کی وہ مہارت ہے جیسے مافوق الفطرت بصیرت سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ Necromancy مردوں کو بلانے اور ان سے گفتگو کرنے کا ساحرانہ فن ہے اسے غیب دانی Divinition کی ایک شاخ بھی کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں جادو کے لئے سحر کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور اس کے تحت اس فن کی تمام شاخیں آ جاتی ہیں۔ عربی لغت میں سحر کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو پوشیدہ یا غیر مرئی طاقتوں کے عمل سے ظہور پذیر ہو۔ مثلاً: ایک روایت میں حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے: بیشک بلاغت کے بعض اسلوب میں سحر ہوتا ہے۔ (بخاری) ایک فصیح اور کرشمہ ساز خطیب اپنے سحر خطابت سے صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بنا کر پیش کر سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے طرز خطابت کو ساحری سے تعبیر کیا۔ جادوگری کا عمل رات کے وقت تاریکی میں کیا جاتا ہے۔ (تیسیر العزیز الحمید)

جادو (سحر) کی حقیقت:

عصر حاضر میں جادو کے بارے میں خیال قبول عام حاصل کر چکا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جادو کے اثرات کو نفسیاتی بیماری مثلاً ہیسٹریا وغیرہ سے منسوب کر کے رد کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی دلیل دی جاتی ہے کہ جادو کا اثر صرف ان ہی پر ہوتا ہے جو اس میں عقیدہ رکھتے ہیں۔[1] جادوئی کرشموں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اوہام اور فریب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود کہ اسلام خیر و شر کے عقیدہ کے تحت تعویذ گنڈے وغیرہ کے جواز کو یکسر مسترد کرتا ہے تاہم سحر (جادو) کے بعض پہلوؤں کو ضرور تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں جسے ساحری (جادوگری) کہا جاتا ہے اس میں فریب نظر شعبدہ بازی، عیارانہ کرتب، جدید آلات کے استعمال سے حیرت انگیز مظاہر پیش کر کے حاضرین کو مسحور کیا جاتا ہے۔ تاہم قسمت کا حال بتانے والوں کی طرح بعض ایسے ساحر بھی ہیں جو اصل جادو کا عمل کرتے ہیں جسے وہ شیاطین کے رابطے کے ذریعے بروئے عمل لاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم جنات کی صلاحیت کا جائزہ لیں یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن و سنت سے سحر کے بعض مظاہر کے مبنی بر حقیقت ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ اس موضوع پر

---

[1] مشہور اشعری فلسفی فخر الدین رازی (وفات ۱۲۱۰ء) نے سورہ البقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر میں یہ خیال ظاہر کیا پھر مشہور مورخ ابن خلدون نے اس کی مزید توضیح کی۔

قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اسلام میں کسی بات کے کذب وصداقت کا تعین کرنے کے لئے یہی دو بنیادیں ہیں جن کی جڑیں وحی الٰہی میں پیوست ہیں جو انسانوں کی بھلائی کے لئے نازل کی گئی۔

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے سحر کے بارے میں اسلام کے بنیادی نظریئے کو اس طرح پیش کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

(البقرہ: ۱۰۱)

اور جب اللہ کی طرف سے ایک رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس بھیجا گیا جس نے ان باتوں کی تصدیق کی جو ان کے پاس تھی (یعنی توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں) تو ان میں سے ایک جماعت نے جو صحیفہ (توراۃ) کا علم رکھتی تھی (یہودی ربی) اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا کہ انہیں اس کتاب توراۃ یا اس (محمدؐ) کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں۔

توراۃ کی پیشین گوئیوں کی بابت یہودی ربیوں کی منافقت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کذب کو واضح کرتا ہے جو یہودی علماء نے حضرت سلیمان علیہ لسلام کے بارے میں احترام کیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

خَلاَقٍ ط وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ o (البقرہ: ۱۰۲)

وہ اس کی پیروی کرتے ہیں جو سلیمان کی سلطنت کے بارے میں شیاطین نے انہیں سکھا دیا ہے لیکن سلیمان نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہ تو خود شیاطین تھے جنھوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور جو کچھ بابل میں ہاروت اور ماروت نام کے دو فرشتوں کو القاء کیا گیا تھا۔ یہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ نہیں بتاتے تھے جب تک کہ اسے تنبیہ نہ کر دیتے کہ ہم آزمائش میں گرفتار ہیں تم کفر مت کرو۔ (اس کے باوجود) لوگ ان فرشتوں سے وہ فن سیکھتے تھے جس کے ذریعہ زن وشوہر میں جدائی پیدا کی جاتی تھی۔ بہر حال وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ وہ صرف اپنی روح کو ہی اس فن سے نقصان پہنچاتے تھے۔ خود انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ بیشک وہ اس سے واقف تھے کہ جو شخص یہ سودا کرے گا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ کاش وہ جان سکتے کہ جو کچھ وہ بیچ رہے ہیں اس کی قیمت سے وہ اپنی روح کو گناہوں میں ملوث کر رہے ہیں۔

یہودی اپنے فن ساحری کا جواز ایک مخفی راہبانہ نظام کے دائرہ کے تحت پیش کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے یہ فن براہ راست حضرت سلیمان سے سیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ صحیفہ ربانی (توراۃ) کو پس پشت ڈال کر یہودیوں نے اللہ کے آخری رسول کی نبوت کا انکار کیا۔ اور اس طلسماتی نظام کو اپنا لیا جو انہیں شیاطین نے سکھایا تھا۔ یہ شیاطین لوگوں کو ساحری سکھا کر پہلے ہی کفر کے مرتکب ہو چکے تھے۔ وہ لوگوں کو ساحری کا ایک اور فن بھی سکھاتے تھے جسے نجوم کہتے تھے۔ زمانہ قدیم میں اس فن کی تعلیم ہاروت و ماروت نام کے دو فرشتے دیتے تھے جنھیں بطور آزمائش بابل میں پہنچایا گیا تھا۔ ساحری کی تعلیم دینے سے قبل فرشتے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے کہ وہ یہ فن سیکھ کر کفر کے مرتکب نہ ہوں لیکن بابل کے باشندے ان کی بات پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ وہ نجوم کے ذریعہ لوگوں کو نقصان پہنچانے اور میاں بیوی میں تفریق کرانے کے حربے سیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اپنے علم ساحری سے کسی کو بھی ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اللہ کے اختیار

میں ہی ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ کس کو ضرر پہنچے گا کس کو نہیں۔ انہوں نے جو فن ساحری سیکھا اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ درحقیقت انہیں نقصان ہی پہنچا۔ کیونکہ ایک ساحر کو یہ فن سیکھنے یا اسے بروئے کار لانے کے لئے بہت سے ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جن سے کفر و شرک لازم آتا ہے۔ پس کفر و شرک کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود کو ہی نقصان پہنچایا کیونکہ جہنم ان کا ٹھکانہ بن گیا۔

جو یہودی فن ساحری کی تعلیم حاصل کرتے تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ ملعون ہوں گے کیونکہ خود ان کے صحیفے (توراۃ) میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ توراۃ میں آج بھی مندرجہ ذیل آیات موجود ہیں:

جب تم اس سرزمین میں پہنچو تمہارے خداوند نے تمہیں عطا کی ہے تو تم ان اقوام کے مذموم اطوار کی پیروی مت کرنا۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو نذر آتش کر کے نذرانہ پیش کرے۔ کوئی شخص غیب دانی، قسمت کا حال بتانے، پیشین گوئی کرنے، جادو ٹونا تعویذ گنڈا کرنے، مردوں سے حاضرات کرنے وغیرہ کے اعمال نہ کرے کیونکہ خدا کے نزدیک یہ سب باتیں ملعون ہیں۔ جو کوئی ایسے اعمال کرے گا تو خداوند تیرا خدا اسے وہاں سے نکال دے گا۔ (استثناء تورات کی پانچویں کتاب)

لیکن ان لوگوں نے تورات کی تنبیہ پر بھی توجہ نہیں دی۔ گویا وہ عبارت وہاں نہیں تھی۔ تورات میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو شخص ساحری اختیار کرے گا اس کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ جنت کی کسی بھی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے گا۔ لیکن یہودیوں نے اس عبارت کو صحیفہ سے یکسر محو کر دیا اور ساحری سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے قرآن عظیم کی مذکورہ آیات کا اختتام تاسف کے اظہار پر ہوتا ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ صورت حال کی سنگینی کو ثابت کیا جائے۔ کاش یہودیوں کو معلوم ہوتا کہ ان کے اعمال بد کی سزا آخرت میں کیسی اذیت ناک ہوگی اور اس حیات چند روزہ میں کچھ مذموم ساحرانہ حربے استعمال کر کے وہ آخرت میں اپنی ارواح کو کیسا شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ان آیات قرآنی سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ساحری حرام ہے۔ یہ آیات کہ جو شخص یہ سودا کرے گا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ (البقرہ:۱۰۲) بتاتی ہیں کہ ایسے حرام افعال کی پاداش میں جہنم ہی ابدی ٹھکانہ ہوگا۔ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ساحر، فن ساحری سیکھنے اور سکھانے والے سب کافر ہیں۔ آیت کے یہ الفاظ مَاشَرَوْابِهٖ اپنی معنویت اور اثر کے لحاظ سے عمومی ہیں اس کے تحت وہ تمام لوگ آتے ہیں جو ساحری سکھا کر پیسہ کماتے ہیں، وہ جو یہ فن سیکھنے کے لئے پیسہ ادا کرتے ہیں وہ شخص بھی جو محض اس کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی میں جادو کو کفر قرار دیا ہے: حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ اور یہ آیت وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔

مذکورہ بالا آیات قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جادو (سحر) کی بعض اقسام موثر ہوتی ہیں۔ بخاری اور احادیث کی دیگر کتب میں مذکور ہے کہ خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جادو کے اثرات سے متاثر ہوئے۔ زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ ایک یہودی لباب بن اعصم نے آپ پر جادو کیا تھا، جب اس جادو کے اثرات ظاہر ہوئے تو جبرئیل آپ کے پاس آئے معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) آپ کو اللہ کی طرف سے پہنچائیں اور بتایا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جن اشیاء کے ذریعہ جادو کیا گیا ہے وہ فلاں کنوئیں میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب کو بھیجا وہ اس کنوئیں سے تعویذ گنڈہ وغیرہ نکال کر لے آئے جس سے جادو کیا گیا تھا۔ تب آپ نے ان سے کہا کہ سورۃ الفلق اوسورۃ الناس کی آیتیں پڑھکر اس کی ایک ایک گرہ کھولو انہوں نے تمام گرہیں کھول دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے اٹھ کر بیٹھ گئے گویا آپ کو بندھن سے آزاد کر دیا گیا ہو۔ (بخاری)

سطح ارض پر رہنے والی ہر قوم میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی شکل میں ساحری کی ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض محض شعبدہ باز بھی رہے ہوں گے تاہم اس کا

امکان بہت کم ہے کہ اقوام عالم نے ساحری اور مافوق الفطرت واقعات کے بارے میں اس قسم کی حکایتیں تصنیف کرنے پر اتفاق کرلیا ہو۔ کوئی بھی شخص جو سنجیدگی سے ان مافوق الفطرت واقعات کے مجموعوں کو پڑھے گا اور غور کرے گا تو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان تمام واقعات میں حقیقت کا کوئی نہ کوئی مشترک عنصر ضرور ہے۔ مکان میں بھوت پریت کا اثر ہونا، حاضرات، ہوا میں اڑنا، آسیب، یا جنات کا اثر ہونا وغیرہ ان کے لئے ایک معمہ ہوسکتے ہیں جو جنات کی دنیا سے واقف نہیں ہیں۔ یہ تمام طلسماتی باتیں دنیا کے ہر حصہ میں مختلف انداز میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کا معاشرہ بھی اس سے محفوظ نہیں ہے خصوصاً شیوخ کے حلقے جو صوفیا کے بعض انتہا پسند سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت سے صوفیا سے ایسی کرامات منسوب کی جاتی ہیں جیسے ہوا میں اڑنا، طویل مسافت بہت ہی کم مدت میں طے کرلینا، غیب سے کھانا، روپیہ پیسہ دغیرہ حاضر کردینا وغیرہ ان کے جاہل معتقدین ان کرتبوں کو ان شیوخ کی روحانی کرامت قرار دے کر انہیں بیش قیمت نذرانے پیش کرتے ہیں اور ساری زندگی ان کے قدموں میں بسر کردیتے ہیں حالانکہ ایسی تمام باتوں کے پیچھے جنات کے نامسعود اثرات ہی ہوتے ہیں جیسا کہ سابقہ باب میں بیان کیا گیا۔ جنات ایک مخفی مخلوق ہے وہ اکثر سانپ یا کتے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کرلیں۔ بعض اوقات وہ انسانی شکل میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ماہ رمضان میں موصولہ صدقات کی حفاظت پر مامور فرمایا، جب میں وہاں موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کھانے کی اشیاء چوری کرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا واللہ تجھے حضرت رسول اکرم کے حضور پیش کروں گا۔ اس شخص نے منت سماجت کرتے ہوئے کہا میں غریب آدمی ہوں اور اپنے بچوں کی کفالت بھی نہیں کرسکتا، میں بہت محتاج ہوں۔ اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو

ہریرہ، رات کو تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا اس نے کہا تھا کہ میں بہت محتاج ہوں اور میرے بچے بھوکے ہیں اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا اور وہ پھر آئے گا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ پھر آئے گا۔ لہٰذا میں اس کی تاک میں رہا، جب وہ آیا اور غذائی اشیاء چوری کرنے لگا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا میں ضرور تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کروں گا اس پر اس نے گڑگڑا کر کہا میں بہت غریب آدمی ہوں اور میرے بچے بھوکے ہیں مجھے چھوڑ دو میں پھر نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ رات کو تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے کہا کہ وہ غریب آدمی ہے اور اس کے بچے بھوکے ہیں تب میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ میں اس کے انتظار میں رہا وہ آیا اور کھانے کے سامان کے گرد چکر کاٹنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا واللہ میں تمہیں ضرور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا تم نے تین بار جھوٹ بولا اور تم پھر آ گئے۔ اس پر اس نے کہا میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں اللہ کے کرم سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ میں نے کہا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا تم سوتے وقت آیۃ الکرسی اول تا آخر کی تلاوت کر لیا کرو اس سے اللہ تعالیٰ تم پر یک نگہبان مقرر کر دے گا اور صبح تک شیطان تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔ پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ دوسری صبح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ رات تمہارے قیدی نے کیا کہا، تب میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا اور عرض کیا کہ اس نے کہا کہ اگر تم آیۃ الکرسی کی تلاوت کر کے سوؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایک نگہبان مقرر کر دے گا اور شیطان صبح تک تمہیں پریشان نہیں کرے گا...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بلاشبہ اس نے سچ بولا حالانکہ وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ کیا تم جانتے ہو کہ

گذشتہ تین راتوں میں تم کس سے باتیں کرتے رہے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شیطان تھا۔ (بخاری)

جنات میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ وہ طویل مسافت لمحوں میں طے کر لیتے ہیں اور کسی انسان کے جسم میں حلول بھی کر سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی یہ حکمت ہے کہ اس نے جنات کو ایسی مافوق الفطرت قوتیں عطا کیں اس نے اپنی دیگر مخلوقات کو بھی بعض ایسی صلاحیتوں سے نوازا ہے جو انسان کو عطا نہیں کی گئیں تاہم اس نے انسان کو ہی اشرف المخلوقات ہونے کا شرف عطا کیا۔

اگر جنات کی ان خصوصیات اور صلاحیتوں کو ذہن میں رکھا جائے تو ان کی نسبت سے جو مافوق الفطرت باتیں کہی جاتی ہیں اور طلسماتی واقعات منسوب کیے جاتے ہیں جو محض فریب اور وہم نہیں ہیں، انہیں صحیح طور سے سمجھا جا سکے گا۔ مثلاً: ایسے مکانات جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں جنات کا اثر ہے وہاں روشنی (چراغ) (خود بخود جلنا یا بجھ جانا، سامان کا ہوا میں اڑنا، فرش میں دراڑیں پڑ جانا، دیواروں پر ٹنگی ہوئی تصویروں کا گرنا وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنات مخفی رہتے ہوئے مادی اشیاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسی باتیں آسیب زدگی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں، جب مردہ لوگوں کی روحیں زندہ انسانوں سے مکالمہ کرتی ہیں۔ لوگ جو اپنے مردہ رشتہ داروں کی آوازیں پہنچانتے ہیں یہ روحیں ان سے اپنی زندگی کے پیش آمدہ واقعات سناتی ہیں۔ عامل اپنی حاضرات کے ذریعہ اس جن (ہم زاد) کو بلا لیتے ہیں جو اس مردہ شخص کے ساتھ رہتا تھا اور اس شخص کی ماضی کی زندگی کے واقعات دہراتا ہے۔ اسی طرح روحیں سوالات کے جوابات بھی دیتی ہیں اگر موزوں ماحول فراہم کیا جائے تو یہ ارواح (یعنی جنات) حیرت ناک نتائج پیش کر سکتی ہیں۔ وہ ساحر اور عامل جو ہوا میں اڑتے ہیں یا بغیر چھوئے چیزوں کو فضا میں معلق کر دیتے ہیں، در اصل یہ سارے کام جنات انجام دیتے ہیں۔ جو لوگ چشم زدن میں طویل مسافت طے کر لیتے ہیں یا تقریباً ایک ہی وقت میں دو جگہ نظر آتے ہیں در حقیقت انہیں جن (ہم زاد)

لے جاتا ہے اور بعض اوقات وہ اس شخص کی شباہت میں ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ جو لوگ فضا میں ہاتھ بلند کر کے کھانے کی اشیاء یا روپیہ پیسہ حاضر کر دیتے ہیں یہ کام بھی دراصل ان کا ہم زاد (جن) ہی کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مقالات جنات کے بارے میں) بعض بے حد حیرت ناک واقعات بھی ظہور میں آتے ہیں۔ مثلاً: ہندوستان میں شانتی دیوی نام کی ایک سات سالہ لڑکی جس نے دوسرا جنم لیا اور اپنے پہلے جنم کے واقعات پوری صحت کے ساتھ بیان کیے۔ اس نے متھرا میں اپنے مکان کی نشان دہی بھی کی حالانکہ وہ جگہ وہاں سے بہت دور تھی جہاں وہ اب رہ رہی تھی۔ جب لوگ متھرا میں اس مکان کا پتا لگانے گئے تو مقامی لوگوں نے اس کی تصدیق کی کہ وہاں اس سے پہلے اس قسم کا مکان موجود تھا جیسا کہ اس لڑکی نے بیان کیا تھا۔ ان لوگوں نے اس لڑکی کے بتائے ہوئے بعض واقعات کی تصدیق بھی کی۔ کولن ولسن کی کتاب The occult غیب تیویارک ظاہر ہے یہ سب باتیں جنات نے اس کے تحت الشعور میں رکھ دیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: انسان خواب میں جو دیکھتا ہے ان کی تین اقسام ہیں ایک رویا جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک خواب جو شیطان دکھاتا ہے اور تیسرا جو تحت الشعور میں ظاہر ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جنات جس طرح انسان کے دماغ میں گھس جاتے ہیں اس کے جسم میں بھی حلول کر لیتے ہیں۔ لوگوں پر جنات آنے کے لاتعداد واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی عارضی کیفیت بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ بعض عیسائی اور مشرک فرقوں میں ہوتا ہے۔ جہاں لوگ ایک روحانی اور جسمانی ہیجان میں مبتلا ہو کر بے ہوشی کے عالم میں پہنچ جاتے ہیں اور اجنبی زبان بولنے لگتے ہیں، ایسی کمزور صورت میں کوئی جن ایسے شخص کے جسم میں حلول کر کے اس کے لبوں سے بولنے لگتا ہے۔ یہی منظر بعض صوفیا کے وہاں بھی نظر آتا ہے جب وہ ذکر کی محفلیں منعقد کرتے ہیں یا پھر یہ ایک طویل سلوک و مقامات کا عمل ہوتا ہے، جس میں اہم شخصی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن پر

جنات یا آسیب کا سایہ ہوتا ہے وہ عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہیں مافوق البشری قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر جنات ان کے ذریعہ براہ راست بولتے ہیں۔

جھاڑ پھونک کرنا۔(Exorcism)

عہد وسطیٰ کے دوران اس ساحرانہ عمل کو مغرب میں بڑی پذیرائی حاصل رہی۔ عیسائیوں کے یہاں آسیب زدہ شخص کو آسیب سے آزاد کرانے کے لئے یہ عمل حضرت یسوع مسیح کی اس سنت کو بنیاد بنا کر کیا جاتا تھا جوانہوں نے آسیب زدہ افراد کو شفا دینے کے لئے استعمال کیا اور جن کا ذکر انجیل میں کیا گیا ہے۔اس میں ایک جگہ بتایا گیا ہے جب یسوع اور ان کے حواری گڈریوں کے شہر میں پہنچے تو ایک آدمی ان کے حضور لایا گیا جس پر جنات کا اثر تھا، یسوع نے شیاطین کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو آزاد کردیں چنانچہ وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے اور خنزیروں کے ایک گلے میں گھس گئے جو پہاڑی کے دامن میں چر رہے تھے، گلے کے وہ جانور تیزی سے پہاڑی کے ڈھلان سے نیچے اترنے لگے اور نیچے جھیل میں ڈوب گئے۔اس قصے کی بنیاد پر ساتویں آٹھویں دہائی (بیسویں صدی) میں کئی فلمیں بھی بنائی گئیں۔(مثلاً ایگزورسسٹ، روزمیری کا بچہ وغیرہ) آج مادیت پرست مغربی معاشرہ میں عام رجحان یہ ہے کہ ہر اس چیز کو مسترد کردیا جائے جو مافوق الفطرت معلوم ہو۔ لہٰذا اہل مغرب کی نظر میں جھاڑ پھونک کا یہ عمل کوئی عقلی جواز نہیں رکھتا اور محض ادہام پرستی ہے۔یہ رجحان دراصل عہد ظلمت اور عہد وسطیٰ کے یوروپ میں چڑیلوں، بھوتوں وغیرہ کے اثر میں آئے ہوئے انسانوں کو زندہ جلائے جانے کے ردعمل کے طور پر ابھرا۔ایسے آدمیوں کو عامل زندہ جلادیتے تھے تا کہ بھوتوں عفریتوں کو جلایا جاسکے اور یہ علاج بہت عام تھا۔اسلام میں آسیب کے علاج کی اجازت ہے بشرطیکہ اسے حقیقی معاملات میں بروئے کار لایا جائے اور اس طریقے پر کیا جائے جو کتاب وسنت کے فرامین کے مطابق ہوں کسی آسیب زدہ شخص کے علاج کے لئے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: ایک جن کو بھگانے کے لئے دوسرے جن کو بلایا جائے۔ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں کچھ مشرکانہ عمل کرنے پڑتے ہیں جس سے اسلام کا عقیدہ مجروح ہوتا ہے عموماً یہ عمل ایک جادوگر یا جادوگرنی کے ذریعہ اپنے حریف جادوگر پر کئے گئے جادو کا اثر زائل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ: جن کو بھگانے کے لئے اس کے سامنے بعض مشرکانہ عمل کئے جاتے ہیں۔ جب وہ جن ان مشرکانہ رسوم سے خوش ہو جاتا ہے تو جادوگر کو مطمئن کرنے کے لئے وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسطرح جادوگر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے جو مشرکانہ عمل کئے وہ درست تھے۔ یہ طریقہ عیسائی عامل اختیار کرتے ہیں جو اس جن کو بھگانے کے لئے یسوع سے دعا کرتے ہیں اور صلیب کو استعمال کرتے ہیں۔ مشرک قبائل میں بھی جادوگر بھوت پریت کو بھگانے کے لئے اپنے باطل معبودوں کو پکارتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ اس جن کو بھگانے کے لئے قرآن عظیم کی آیات تلاوت کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے۔ قرآن عظیم کی آیات تلاوت کرنے سے اس آسیب زدہ شخص کے گرد ماحول تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس جن کو حکم دیا جاسکتا ہے کہ وہ چلا جائے بعض اوقات اس کے لئے طاقت بھی استعمال کرنا پڑتی ہے لیکن یہ عمل اس وقت تک بے مقصد رہے گا جب تک عامل کا ایمان پختہ اور کامل نہ ہو اور اپنے اعمال صالحہ اور تقویٰ سے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ لیکن آج کل بہت سے مسلمان مغربی افکار کے زیر اثر اور غیر مذہبی ماحول میں رہ کر آسیب زدگی کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ بعض تو اس حد تک جاتے ہیں کہ وہ جنات کے وجود کے بھی منکر ہو جاتے ہیں حالانکہ قرآن وسنت سے ان کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ متعدد ایسی صحیح احادیث ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسیب زدہ شخص کو اس کے اثرات سے نجات دلانے کے لئے یہ عمل کیا ہے۔ ایسے واقعات بھی ہیں جہاں صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے یہ عمل کیا۔ ذیل میں تین

احادیث نقل کی جاتی ہیں جن سے تین مختلف طریقوں کا پتا چلتا ہے۔

حضرت یحیٰ بن مرہ سے روایت ہے کہ ایک بار وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے ان کا گزر ایک جگہ سے ہوا جہاں ایک عورت سڑک کے کنارے اپنے بچے کو لئے بیٹھی تھی۔ اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لڑکا آسیب زدہ ہے ہم اس کی وجہ سے سخت اذیت میں مبتلا ہیں میں نہیں بتا سکتی کہ اسے دن میں کتنی بار دورے پڑتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے مجھے دیدو اس عورت نے اسے اٹھایا اور آپ کے حضور پیش کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاٹھی (زین) پر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اس لڑکے کا منہ کھولا اور اس میں پھونکا[1] پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بسم اللہ، میں اللہ کا بندہ ہوں، پس اللہ کے دشمن یہاں سے دفع ہو جا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا اور فرمایا جب ہم سفر سے واپسی پر یہاں آئیں تو ہمیں بتانا کہ اس لڑکے کا کیا حال ہے؟ پھر ہم سفر پر روانہ ہو گئے واپسی میں وہ عورت ہمیں اسی جگہ ملی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہارا لڑکا اب کیسا ہے؟ اس عورت نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم نے اس وقت سے اب تک لڑکے میں کوئی بیماری نہیں دیکھی وہ بالکل ٹھیک ہے، اس لئے میں یہ تین بھیڑیں نذر کرنے کے لئے لائی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اترو اور ان میں سے ایک بھیڑ لے لو بقیہ دو اسے واپس کر دو۔ (احمد نے اسے نقل کیا ہے)

ام ابانا بنت الوازی سے روایت ہے کہ جب میرے دادا اپنے قبیلے کے ایک وفد کے ہمراہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ اپنے ایک بیٹے کو بھی لے گئے جو فاتر العقل تھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں آپ کے حضور میں اپنے بیٹے کو لایا ہوں جو دیوانہ ہے آپ اس کے لئے دعا فرمائیں۔

۱- اس جگہ عربی میں نفخ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم ہے زبان کی نوک ہونٹوں تک لا کر پھونک مارنا اس طرح یہ عمل پھونکنے اور ہلکے سے تھوکنے کے بین بین ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ میرے دادا نے اس کا وہ لباس جو وہ سفر کے دوران پہنے ہوا تھا تبدیل کر کے اچھا لباس پہنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کپڑوں کو گرفت میں لے کر اس کی پشت پر مکے مارنے شروع کیے اس دوران آپ فرماتے رہے اے اللہ کے دشمن دفع ہو جا، اللہ کے دشمن دفع ہو جا تب اس لڑکے نے اپنے گردوپیش دیکھنا شروع کر دیا گویا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور پانی منگایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی اس کے چہرے پر چھڑکا۔ اس کے بعد وہ نوجوان ایسا صحت مند ہو گیا کہ قافلے میں کوئی اس سے بہتر نہیں تھا۔

خارجہ بن السلط نے روایت کیا کہ اس کے چچا نے بتایا کہ ایک بار جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے رخصت ہوئے تو ہمارا گزر ایک بدوی قبیلے میں ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ہم سے کہا ہم جانتے ہیں کہ تم اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آرہے ہو کیا تمہارے پاس کوئی ایسا علاج یا عمل ہے جس سے ہمارے ایک آسیب زدہ بھائی کو ٹھیک کر سکو؟ ہم نے کہا ہاں۔ تب وہ ایک دیوانے کو ہمارے پاس لائے جو آسیب زدہ تھا میں نے تین دن تک صبح وشام سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کی، اس عمل کے دوران میں اس پر تھتکارتا بھی رہا۔ اس کے بعد وہ شخص اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے زنجیروں سے آزاد کر دیا گیا ہو، تب انہوں نے مجھے ایک بکری بطور معاوضہ پیش کی، میں نے کہا جب تک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لے لوں اسے قبول نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے لے لو واللہ جو شخص کفر وشرک کے ذریعہ علاج کر کے کچھ کھاتا ہے وہ اپنے گناہ کا بوجھ ڈھوئے گا تم جو حاصل کر رہے ہو اللہ کے نام پر ہے۔ (ابوداؤد)

سحر (جادو) کے بارے میں شرعی حکم

چونکہ سحر سیکھنا اور اس کو بروئے عمل لانا دونوں باتیں کفر کے دائرے میں آتی ہیں۔

لہٰذا شریعت نے اس کا ارتکاب کرنے والے کو عذاب شدید کی ترہیب کی ہے۔ جو شخص عمل ساحری کرے اور اسے ترک نہ کرے، نہ اس عمل سے توبہ کرے اس کے لئے شریعت میں سزائے موت ہے۔ شریعت کا یہ حکم مندرجہ ذیل حدیث نبویؐ پر ہے جسے جندب بن کعبؓ نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساحر کی سزا یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ (ترمذی) [۱]۔ خلفائے راشدین نے اس فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سختی سے عمل کیا۔ بجالہ بن عبدہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے عساکر اسلامی کو جو فارس اور روم میں برسر پیکار تھیں فرمان بھیجا کہ پارسیوں کو حکم دیں کہ جس نے اپنی ماں، بہن یا بیٹی سے شادی کر رکھی ہے وہ سب فوراً یہ رشتے منقطع کر دیں۔ امیر المومنین نے یہ ہدایت بھی کی کہ مسلمان لشکران پارسیوں کا بنایا ہوا کھانا بھی کھائیں تاکہ انہیں اہل کتاب کے زمرے میں شامل کیا جاسکے۔ آخر میں انہیں حکم دیا گیا کہ گروہ کسی جادوگر (ساحر) یا قسمت کا حال بتانے والے کو دیکھیں تو اسے قتل کر دیں۔ بجالہ نے بتایا کہ اس حکم کی بنیاد پر خود میں نے تین جادوگروں کو قتل کیا۔ (احمد، ابوداؤد، بیہقی)

محمد بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ نے اپنی ایک کنیز کو اس لئے قتل کرا دیا کہ اس نے ان پر جادو کر دیا تھا۔

ساحروں کے لئے یہ سزا تورات میں بھی موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے دین میں بھی ساحری حرام ہے۔

کوئی مرد یا عورت جو ساحر کے لئے معمول بنتا ہے/بنتی ہے یا خود ساحری کرتا ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اسے پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے گا اور اس کا خون اسی پر چھڑک دیا جائے گا۔ توراۃ کی تیسری کتاب

۱۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن چونکہ اس کی تائید میں شہادتیں موجود ہیں اسی لئے یہ حسن کے درجے میں آگئی ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے تین (احمد، ابوحنیفہ اور مالک) اس کی تائید کرتے ہیں جبکہ امام شافعی کا کہنا ہے کہ ساحر کو اس صورت میں سزائے موت دی جائے گی جب وہ اپنے عمل میں کفر و شرک کا ارتکاب کرے۔ (تفسیر العزیز الحمید)

خلفاء راشدین کے بعد اس عمل کی سزا میں سستی برتی گئی خلفائے بنی امیہ نے نہ صرف ساحروں کو کھلی چھوٹ دیدی بلکہ اپنے دربار میں بھی انہیں جگہ عطا کیا۔ کیونکہ ان خلفاء نے اس حکم پر عمل ترک کر دیا تھا اس لئے بعض صحابہ نے اس حکم پر عمل آوری کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تھی۔ ابو عثمان سے روایت ہے خلیفہ ولید بن عبد الملک (۷۰۵-۷۱۵ عہد خلافت) کے دربار میں ایک شخص تھا جو جادو کے کرشمے دکھایا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ایک شخص کا سر اس کے تن سے بالکل جدا کر دیا جب یہ ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر لوگ سراسیمہ و مبہوت ہو گئے تو اس نے اس سے بھی بڑا کرتب یہ دکھایا کہ اس کا سر دوبارہ اس کے جسم سے جوڑ دیا اور وہ شخص بالکل ایسا ہو گیا جیسے کبھی اس کا سر تن سے جدا ہوا ہی نہیں تھا۔ دیکھنے والوں نے بیساختہ نعرہ لگایا سبحان اللہ! اس نے تو مردہ کو زندہ کر دیا۔ صحابی جندل العصدی نے ولید کے دربار میں اس ہنگامہ کی بابت سنا تو وہ دربار میں آئے جب جادوگر نے اپنا کھیل شروع کیا تو یکا یک وہ صحابی مجمع میں سے تیغ برہنہ لئے برآمد ہوئے اور اس شعبدہ باز کا سر تن سے جدا کر دیا پھر انہوں نے حیرت زدہ حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا اگر واقعی یہ ساحر سچا ہے تو اب یہ خود کو اسی طرح زندہ کر دکھائے جس طرح کل اس سر بریدہ شخص کو کیا تھا۔ ولید نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈالدیا۔ (بخاری)

شریعت نے عمل ساحری کی جو یہ عبرت ناک سزا مقرر کی ہے اس سے ایک مقصد معاشرہ کے ان ضعیف الاعتقاد عناصر کے ایمان کی حفاظت کرنا ہے جو اس قسم کے کرتب اور شعبدے دیکھ کر ان جادوگروں کے معتقد ہو جانے میں اور ان سے مافوق الفطرت صفات منسوب کر کے توحید الاسماء والصفات کے دائرے میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ یہ صفات صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ جو ساحر مستعدی سے عمل ساحری کرتے ہیں وہ نہ صرف دین و شریعت کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اس عمل سے یہ جادوگر لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں کہ وہ مافوق الفطرت صلاحیتوں کے مالک ہیں اور اس طرح لوگوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کر کے اپنی شہرت کا جال پھیلاتے ہیں۔

باب (۸)

ماورائیت

(اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے برتر اور بالا ہے)

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر نے صحائف سماوی میں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے مقصد اور مراد یہ ہے کہ انسان اس کی ذات ماورائے ادراک کے بارے میں کچھ حد تک یہ جان سکے کہ وہ خالق اکبر کیا ہے؟ چونکہ انسانی دماغ اور اس کا ادراک وصلاحیت محدود ہے۔ لہٰذا اس کے لئے اس ذات مطلق کو جو حدود و قیود اور ازل و ابد سے ماوراہے سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ پس اللہ رحیم و کریم نے از راہ کرم یہ فریضہ خود اپنے اوپر لیا کہ اپنی ذات و صفات کے بارے میں لوگوں کو بتائے تا کہ اپنی ناواقفیت کے سبب وہ صفات اس کی مخلوق سے منسوب نہ کریں جو صرف اس کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ جب اللہ کی صفات اس کے بندوں (مخلوق) سے منسوب کی جاتی ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی صفات اس کی مخلوق سے منسوب کرنے کا عقیدہ ہی بت پرستی کی بنیاد ہے جس نے متعدد اور مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔ وہ تمام عقیدے اور مذاہب جو قدیم مشرک اقوام میں مقبول ہوئے ان میں مخلوق خدا سے یہ صفات منسوب کی گئیں اور مظاہر کو معبود بنا دیا گیا جنہیں اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لئے تخلیق کیا تھا۔

اللہ رب العزت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ایسا ہے جو مخلوق کی عبادت کے برعکس خالق اکبر (اللہ تعالیٰ) کی عبادت سے متعلق بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے لیکن مسلمانوں میں یونانی (اغریقی) فلسفیانہ موشگافیوں کے سبب مسلمانوں کا ذہن اس بارے میں صاف نہیں ہے اور وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ (مختصر

العلو۔ امام محمد ناصر الدین البانی) اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ نازک صفاتی نام العلو ہے جس کے معنی انگریزی میں انتہائی بلندی، ماورائے ادراک ہونا۔" (Transcendance) جب اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے اسم صفت کے طور پر بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العظیم کی ذات جو اس کی تمام مخلوق سے بلند اور ماوراء ہے وہ نہ تو کسی طرح مخلوق کے فکری حصار میں محدود ہو سکتی ہے اور نہ کوئی بھی مخلوق کسی بھی انداز میں اس سے برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عالم تخلیق کا کوئی جز نہیں ہے اور نہ اس کی تخلیق کلی یا جزوی طور سے اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ بلا شبہ اس کی ذات اس کی ہر تخلیق سے ممتاز جدا اور بلند ہے وہ کائنات کا خالق ہے۔ یہ کائنات اور اس کے تمام اجزاء اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا حصہ ہیں لیکن اس کی صفات اس کی تخلیق میں بلا تحدید برسر کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے سنتا ہے اور جانتا ہے اور اس کے اس علم تخلیق میں جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کی علت اصلی ہے۔

کائنات میں کوئی بھی چیز اس کے حکم کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان رشتہ اور تعلق کے اسلامی نظریہ کا سوال ہے اس کی دوہری نوعیت ہے لیکن اللہ وحدہ لاشریک اور اس کی مخلوق کے درمیان جو تعلق ہے وہ صرف اور صرف وحدانی ہے۔ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان رشتہ کی دوہری نوعیت یہ ہے کہ اللہ اللہ ہے او مخلوق صرف مخلوق ہے۔ دونوں جدا اکائیاں ہیں خالق اور اس کی مخلوق لامحدود اور امحدود، نہ ایک دوسرے کی طرح بن سکتا ہے اور نہ دونوں مل کر ایک (وحدت) بن سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اسلام کا تصور مکمل طور پر وحدت پر مبنی ہے۔ یعنی اللہ ایک ہے، نہ اس کے بیٹا ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے، نہ کوئی اس کا شریک اور ہمسر ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جس پر کسی مصالحت، ترمیم و تنسیخ وغیرہ کی نہ کوئی گنجائش ہے نہ امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں بے نظیر و بے مثال ہے اور کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔ کائنات میں صرف اسی کی ذات اقتدار و اختیار کا سرچشمہ ہے اور ہر شئے اس

پرانحصار کرتی ہے۔اسی طرح اپنی مخلوق کے مقابلے میں وہ وحدہ لاشریک ہے۔کائنات اور اس کے تمام اجزاء وعناصر اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور کیونکہ کائنات اور اس کے تمام اجزاء وعناصر صرف ایک ہی ذات کی تخلیق ہیں اس لئے تخلیقی اعتبار سے ان کا مادہ بھی ایک ہی ہے یعنی فطرت کے اصولوں پر ان کی تخلیق کی گئی ہے۔

اہمیت:

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے تعلق سے اس کی صفت برتری اور ماوراء ہونا بے حد معنویت کی حامل ہے۔اسلام سے قبل، آخری دور میں انسان اس صفت الٰہی کے بارے میں گمراہی کی آخری حدوں تک پہنچ گیا تھا۔عیسائیوں نے یہ عقیدہ اختراع کرلیا تھا کہ خدا گوشت پوست (تجسیم) کا پیکر بن کر یسوع کی شکل میں بطور انسان ظاہر ہوا اور پھر اسے صلیب دیدی گئی۔(مسیحی عقیدہ کے مطابق) یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا انسان کی شکل میں زمین پر آیا اس نے یعقوب (اسرائیل) سے کشتی لڑی اور دنگل میں ہار گیا۔(توراۃ پیدائش) اہل فارس اپنے بادشاہوں کو دیوتا سمجھتے تھے اور جملہ خدائی صفات ان سے منسوب کرتے تھے اور انجام کار یہ فاسد عقیدہ انہیں بادشاہوں کی پرستش کی ترغیب دیتا تھا۔ہندوؤں نے یہ عقیدہ اختیار کیا تھا کہ برہم سب سے برتر ہے اور ہر شئے اس کے وجود کا مظہر ہے۔پس وہ ہر چیز کی پرستش کرتے تھے۔انسان جانور وغیرہ کو بھی معبود سمجھنے لگے تھے۔ہندوؤں کا یہ عقیدہ اس ناقابل یقین حد تک پہنچ گیا کہ وہ مقدس شہر بنارس[1] جاتے

۱-شیوا جو دوہری صلاحیتوں کا دیوتا ہے،مارتا بھی ہے جلاتا بھی ہے۔شیولنگم پتھر سے عضو تناسل کی شکل میں تراشا جاتا ہے جو دیوتا کی قوت تولید کا مظہر ہے۔مندروں میں بڑے بڑے لنگم نصب کئے جاتے ہیں۔یہ لنگم ایک مدور شئے میں نصب ہوتے ہیں جسے یونی (زنانہ شرمگاہ) کہا جاتا ہے۔اسے شکتی سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی شیو کا نصف مونث اور مادی طاقت کا ذریعہ ہے۔مجموعی طور پر لنگم ہندو کائنات کی کلیت کی علامت ہے۔مذہبی تقریبات میں برہمن اس لنگم پر پھول چڑھاتا ہے اسے مکھن دودھ اور پانی سے دھوتا ہے۔بنارس بھارت میں روشنیوں کا شہر ہے۔(ستار ارادو کا مقالہ)

ہیں تاکہ وہاں شیو دیوتا کے عضو تناسل کا دیدار کر سکیں یہ ایستادہ عضو تناسل ان کی اصطلاح میں لنگم کہلاتا ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں۔

ہندو دھرم میں برہم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو پہلے عیسائیوں نے اختیار کیا پھر اسے مسلمانوں نے بھی قبول کر لیا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت عباسیہ کے عہد زریں میں جب ہندی، ایرانی اور یونانی فلسفے کی کتابوں کے عربی میں تراجم ہوئے تو یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے میں ہے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے فلسفیانہ نظریات کے لئے موضوع بحث بنا اور صوفیاء کے سلسلوں میں اسے بنیادی فلسفے کے طور پر تسلیم کیا گیا پھر اسے فلسفیوں کے اس مکتب فکر میں جسے معتزلہ کہا جاتا ہے قبول حاصل ہوا۔ اس گروہ کو عباسی خلیفہ مامون (۸۳۲-۸۱۳ء) کے دربار میں بہت عروج و اقتدار حاصل تھا۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی سرپرستی میں معتزلی فلسفیوں نے اپنے ان نامبارک اور تحریف شدہ نظریات کی تشدد کے ذریعہ تشہیر و ترویج کی۔ تفتیشی عدالتیں (Inquisiion) قائم ہوئیں۔ مسلمانوں کو تعذیب و اذیت قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا، بعض کو سولی پر بھی لٹکا دیا گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۸۵۵-۸۷۸ء) نے عزیمت و استقامت کے ساتھ معتزلہ کے فاسد عقائد کا مقابلہ کیا اور اس عقیدہ کو پیش کیا جس پر صحابہ اور خیر القرون کے علماء و صلحاء عامل تھے۔ انہوں نے اس پامردی سے اس فتنے کا مقابلہ کیا کہ بالآخر اسے نیست و نابود کر دیا۔ عباسی خلیفہ المتوکل (۸۶-۸۴۷ء) کے عہد خلافت میں معتزلہ کو حکومت کے تمام اہم عہدوں سے معزول کر دیا گیا۔ دربار میں ان کا اثر اقتدار ختم ہو گیا اور سرکاری طور پر فلسفہ اعتزال کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ معتزلہ کے اکثر نظریات وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئے لیکن اللہ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اشاعرہ [۱] کے مکتب فکر میں

۱- اس مکتب فکر کا نام ابوالحسن الاشعری (۹۳۵-۸۷۳ء) کے نام پر پڑا وہ چالیس سال کی عمر تک پکے معتزلی تھے اور جبائی معتزلی کے گہرے عقیدت مند۔ شیخ ابوالحسن الاشعری بصرے میں پیدا ہوئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زندہ اور مقبول ہے۔ یہ مکتب فکر ان معتزلی علماء نے قائم کیا جو اعتزال سے دور ہو گئے تھے، انہوں نے فلسفیانہ بنیادوں پر معتزلہ کے انتہا پسندانہ نظریات کو رد کرنے کی کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ کے محیط کل (Immanence) کے عقیدے کے مفاسد:

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے اس فاسد عقیدے کی بنیاد پر بعض افراد نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے میں موجود ہے۔ وہ جانوروں، نباتات، جمادات وغیرہ سے زیادہ انسان میں موجود ہے۔ اس عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ بعض افراد نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کے مقابلے میں ان کے اندر زیادہ ہے اور اس کے لئے انہوں نے حلول اور اتحاد کی اصطلاحات وضع کیں۔ نویں صدی کے مسلم صوفیاء میں ایک مجذوب صوفی حلاج (۹۹۲-۸۵۸ء) تھا جس نے دعویٰ کیا کہ وہ اور اللہ تعالیٰ ایک ہیں۔ (مسلم اولیاء و صوفیا از۔ اے جے آر پیری) دسویں صدی میں شیعوں کا ایک علیحدہ فرقہ نصیری وجود میں آیا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد علی ابن ابی طالب خدائے تعالیٰ کا اوتار (تجسیم خداوندی) تھے۔ (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) شیعوں کا ایک اور فرقہ دروزی دسویں صدی عیسوی میں ابھرا۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (۱۰۲۱-۹۹۶ء) زمین پر اللہ کا آخری اوتار تھا۔ (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) ایک اور نام نہاد صوفی ابن عربی (۱۲۴۰-۱۱۶۵ء) نے اپنے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) پھر احادیث کے مطالعہ سے ان پر اعتزال کی اسلامی اصول و نظریات سے دوری منکشف ہوئی اور وہ اسلامی نظریات کے مبلغ بن گئے۔ مسلمانوں میں انہیں علم کلام کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ ان کی کتاب مقالات الاشعریہ اور العبارات الاصول الزیارہ ہیں۔ عمر کے آخری حصے میں الاشعری علم کلام سے بالکل بے تعلق ہو گئے تھے اور صرف احادیث سے رجوع کرتے تھے۔ لیکن شافعی علماء نے ان کے نظریات سے استفادہ کیا اور اس طرح ان کے نظریات کو نئی زندگی مل گئی۔ الباقلانی (وفات ۱۰۱۳ء) نے الاشعری کے دلائل کو ایک نظام میں تبدیل کر دیا۔

اشاعرہ کے مشہور حکماء میں امام الحرمین الجوینی (وفات ۱۰۸۶) الغزالی (وفات ۱۱۱۲ء) الرازی (۱۱۲) ہیں (مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

مریدوں کوتلقین کی کہ وہ صرف اپنی عبادت کریں کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ انسان کے اندر رہتا ہے۔ یہی عقیدہ امریکہ میں ایلیا محمد (وفات ۱۹۷۵ء) کا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ کالے لوگ اللہ (کے اوتار) ہیں اور اس کا مرشد فرد محمد خودری خدائے برتر تھا۔ (ہمارا نجات دہندہ آ گیا۔ از ایلیا محمد) جم جونس نے اپنے ۹۰۰ معتقدین کے ساتھ گیانا میں ۱۹۷۹ میں خودکشی کرلی وہ دور جدید میں ایسے شخص کی مثال ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور لوگوں نے اس کے دعوے کو سچ مانا۔

دراصل جم جونس نے یہ فاسد نظریات ایک اور امریکی سے اخذ کئے جو اپنے آپ کو آسمانی باپ (Father Divine) کہتا تھا۔ اس نے یہ فلسفہ اور طریقہ ان معصوم لوگوں کو بہکانے کے لئے استعمال کیا جو اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ آسمانی باپ جس کا اصل نام جارج بیکر تھا ۱۹۲۰ء کے دور کساد بازاری میں ظاہر ہوا، اس نے غریبوں کی مدد کے لئے ریسٹورنٹ کھولے۔ جب شکم کے راستے وہ ان غرباء کے ذہنوں پر مسلط ہو گیا تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کا اوتار ہے۔ اسی عرصہ میں اس نے کنیڈا کی ایک عورت سے شادی کرلی اور اس کا نام آسمانی ماں (Mother Divine) رکھا۔ تیسری دہائی تک پہنچتے پہنچتے اس کے معتقدین کی تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی نہ صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ (یو، ایس، اے) بلکہ یوروپ میں بھی اس کے معتقدین بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اس طرح الوہیت کا دعویٰ کرنے والے کسی ملک یا کسی مذہب تک محدود نہیں تھے جہاں کہیں انہیں اپنے فاسد عقائد و عزائم کے نرم اور زرخیز زمین ملی وہیں انہوں نے اس کی تخم ریزی شروع کردی۔ جہاں ذہنوں میں پہلے ہی اوتار واد یعنی مخلوق کے خدا ہونے کا تصور اور عقیدہ موجود تھا وہاں انہیں بآسانی ان ضعیف الاعتقاد لوگوں کو شکار کرنے کا موقع مل گیا۔

خلاصہ کلام کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عقیدہ کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے انتہائی خطرناک ہے۔ اول تو یہ کہ یہ زمین پر دیدار الٰہی کے عقیدہ (جو بہت بڑا گناہ ہے) کی تائید

کرتا ہے اور اس کا عقلی جواز پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح مخلوق کی پرستش کی راہ ہموار کرتا ہے۔ توحید اسماء والصفات کے عقیدے کے تحت بھی یہ شرک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے ایسی صفات منسوب کرتا ہے جو اس سے متعلق اور اس کے شایان شان نہیں ہیں۔ قرآن اور حدیث (سنت نبوی) دونوں میں کہیں بھی ان صفات الٰہی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ درحقیقت قرآن وسنت اس کی تردید کرتے ہیں۔

واضح ثبوت:

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کی جائے یا اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت بھی کی جائے۔ اور کیونکہ اللہ کے سوا ہر شئے (غیر اللہ) اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ لہٰذا اسلام کے تمام اصول بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اس کی نفی کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ دین کے مبادیات میں اسے واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ خالق کون ہے؟ اور اس کی مخلوق کیا ہے؟ اس قسم کے متعدد ثبوت ہیں جو دین کے بنیادی عوامل پر مبنی ہیں۔ مسلم علماء نے انہیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل جدا اور برتر ہے۔ ذیل میں ایسے سات ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔

۱۔ اسلامی عقیدے کے مطابق انسان کچھ جبلی عادات کے ساتھ تولد ہوتا ہے وہ محض اپنے ماحول کی پیداوار ہی نہیں ہوتا اس کی تائید قرآن عظیم کے اس بیان سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اس نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت سے پیدا ہونے والی تمام نسلوں کو بھی اپنے حضور حاضر کیا اور ان سے اپنی الوہیت کی شہادت لی۔

(الاعراف ۱۷۲:۷)

اس کی مزید تائید حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فطری رجحان لئے پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے اپنے عقیدے کے مطابق مجوسی یہودی یا عیسائی بنا دیتے

ہیں۔(بخاری)

لہٰذا اس عقیدے (خدا ہر جگہ موجود ہے) کی بابت انسان کے فطری ردعمل کو کسی حد تک اس کی عقل کے پیمانہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر خدا ہر شئے میں موجود ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلاظت اور غلیظ مقامات پر بھی وہ موجود ہے۔ جب یہ بات کہی جاتی ہے تو بہت سے لوگ اس خیال سے ہی کراہیت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات بالکل فطری ہے کہ وہ لوگ اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان کا خالق اور سب سے اعلیٰ و برتر ہے وہ انسانی فضلہ یا کسی ایسی شئے یا مقام پر موجود ہوسکتا ہے جو اس کے علوشان کے شایان نہ ہو۔

لہٰذا یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ داعیہ رکھ دیا کہ وہ اس عقیدے کو مسترد کردے کہ اللہ ہر جگہ ہر شئے میں موجود ہے۔ اس لئے اس عقیدے کی صحت ثابت کرنا مشکل ہوگا۔ وہ لوگ جو خدا ہر جگہ ہے کا عقیدہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں وہ یہ دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ یہ عقیدہ انسان کی ذہنی تربیت اور ماحول کے اثر سے پیدا ہوتا ہے اور یہ فطری جذبہ نہیں ہے۔ لیکن نئی نسل کی غالب اکثریت بلا تردد اس نظریہ کو مسترد کردیتی ہے حالانکہ ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی پرورش و پرداخت اسی عقیدے کے تحت ہوتی ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔

۲۔عبادت کا ثبوت:

اسلامی نظریہ عبادت کے تحت تمام مساجد کو ہر قسم کی تصویروں تشبیہوں اللہ یا اس کی مخلوق کے مرقع یا شکل یا نماز کے ارکان رکوع، سجود، قیام و قعود وغیرہ کی توضیحی تصاویر سے کلیۃً پاک ہونا چاہیے۔ اگر یہ عقیدہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا ہر جگہ ہے، ہر شئے میں ہے، ہر انسان میں ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والے ایک دوسرے کی عبادت بھی کرسکتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق خدا ان میں موجود ہے جیسا کہ بدنام صوفی ابن عربی نے

بعض تحریروں میں یہ نظریہ پیش کیا۔ اسی طرح ایک بت پرست یا مظاہر پرست کو منطقی طور پر یہ سمجھانا بہت مشکل ہوگا کہ اس کا طریقہ عبادت غلط ہے اور اسے صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنی چاہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔ کیونکہ وہ شخص فوراً دلیل پیش کرے گا کہ وہ بت یا کسی اور شئے کو نہیں پوجتا بلکہ اس میں پوشیدہ خدا کی پرستش کرتا ہے، یا پھر اس اوتار کی پرستش کرتا ہے جس کی شکل اختیار کر کے خدا انسانی یا کسی اور صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن اسلام ایسے ہر شخص کو کافر قرار دیتا ہے جو کسی بھی شکل یا پہلو سے غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اس میں کوئی منطق یا دلیل قابل قبول نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ کی مخلوق کو سجدہ کر رہا ہے جبکہ اسلام آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ انسان کو اللہ کی عبادت کی طرف راغب کرے اور غیر اللہ کی عبادت و تکریم سے روکے۔ لہٰذا اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے اور عبادات سے متعلق شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ اللہ کسی مخلوق میں ظاہر نہیں ہوتا وہ مخلوق سے بالکل الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی قسم یا انداز کے مرقع بنانے یا جاندار کی تصویر کشی کو حرام قرار دیا جانا بھی اس کی مزید توثیق ہے۔

معراج کا ثبوت:

ہجرت مدینہ سے دو سال قبل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی یعنی رات کے وقت کا وہ معجزاتی سفر جس میں آپ مکہ سے یروشلم پہنچے او وہاں سے ساتوں آسمانوں کا سفر طے کیا۔ اس معجزاتی سفر پر انہیں اس لئے لے جایا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم کریں۔ اسی معراج میں پانچ اوقات کی نمازیں فرض ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب کیا اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات کا نزول ہوا (بخاری)

اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور وہ زمین پر اپنے مکان میں ہی اللہ سے شرف کلام حاصل کر سکتے تھے۔

لہٰذا معراج نبوی علیہ التحیہ والتسلیم میں یہ لطیف نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں ہے اور اپنی مخلوق سے بلند و برتر ہے۔

۴۔قرآن سے ثبوت:

قرآن عظیم میں ایسی آیات جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بلند و برتر ہے، اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار آسان نہیں ہر سورہ میں براہ راست یا بالواسطہ طور سے اس نکتہ کو واضح کیا گیا ہے۔ایسے بالواسطہ حوالوں میں وہ اشیاء جو اللہ کی طرف اٹھتی ہیں یا وہاں سے نازل ہوتی ہیں مثلاً سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے الصمد کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی وہ ذات جس کی جانب ہر شئے رجوع کرتی ہے بعض اوقات اس کے لغوی معنی مراد ہوتے ہیں جیسا کہ فرشتوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

(المعارج: ۴)

فرشتے اور جبرئیل اللہ کی طرف جاتے ہیں اس دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے بعض اوقات اس کا مفہوم روحانی ہوتا ہے جیسے دعا اور ذکر میں۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ. (فاطر ۱۰)

ہر طیب شئے (عمل) اس تک پہنچتی ہے

مندرجہ ذیل آیت میں:

قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا. (المؤمن: ۳۶-۳۷)

فرعون نے ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند مقام بناؤ تا کہ میں اس وسیلہ سے آسمانوں تک پہنچوں اور (موسیٰ کے) خدا کو دیکھوں۔میرا خیال یہ ہے کہ وہ (موسیٰ) جھوٹ بول رہا ہے۔مندرجہ ذیل آیات میں اللہ کی جانب سے نزول (اترنے) کی بات

کہی گئی ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (النحل: ۱۰۲)

کہہ دیجئے کہ جبرئیل روح الامین اللہ کی طرف سے یہ (وحی) لے کر آئے ہیں جو کہ حق ہے تاکہ جو ایمان لائیں انہیں استقامت حاصل ہو ہدایت و بشارت سے سرفراز ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ناموں اور اس کے واضح ارشادات میں براہ راست حوالہ دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اپنے لئے العلی اور الاعلیٰ کے نام بیان کئے ہیں ان دونوں کے معنی بلند بالا برتر ہوتے ہیں۔ یعنی اس سے بلند کوئی نہیں ہے۔ العلی العلیم اور ربکم الاعلیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قادر ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ.

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ.

وہ بندے اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔

لہٰذا جو لوگ قرآن عظیم کی آیات میں تدبر کرتے ہیں انہیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے بالاتر ہے اور وہ کسی بھی طرح ان (مخلوق) کے درمیان یا ان کے حصار میں نہیں ہے۔

احادیث سے ثبوت:

ایسی متعدد احادیث ہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں اور نہ وہ مخلوق میں حلول کرتا ہے۔ قرآن عظیم کی طرح احادیث میں بھی اس موضوع پر بالواسطہ اور بلا واسطہ اشارے موجود ہیں۔ براہ راست حوالہ میں قرآن عظیم میں فرشتوں کا آسمانوں کی

طرف اڑنا اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملائکہ کی ایک جماعت رات کے وقت تمہارے ساتھ رہتی ہے اور دوسری جماعت دن کے دوران تمہارے پاس رہتی ہے، عصر اور فجر کی نمازوں کے دو وقت یہ دونوں جماعتیں ملتی ہیں۔ پھر ملائکہ کی وہ جماعت جو رات بھر تمہارے ساتھ رہی وہ آسمان کا رخ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں ان سے سوالات کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ علیم وبصیر ہے۔ (بخاری)

اس عنوان پر بالواسطہ حوالہ اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش کی بابت ہے رب العزت کا عرش ہر تخلیق شدہ شئے سے بالاتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوا تو اس نے کتاب محفوظ میں لکھا بیشک میری رحمت میرے غضب پر حاوی رہے گی۔ (بخاری)

اس براہ راست حوالے کی ایک حدیث ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بابت ہے جو بطور فخر دیگر امہات المومنین سے کہا کرتی تھیں کہ ان کی شادیاں تو اُن کے اہل خاندان نے کیں جبکہ میری شادی (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے خود اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کی بلندی پر کی۔ (بخاری)

دوسری حدیث وہ ہے جس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کو اپنے بارے میں یہ دعا کرنے کا حکم فرمایا: ربنا اللہ الذی فی السماء قدس اسمک. (ابو داؤد)

ہمارا پروردگار جو آسمانوں کی بلندی پر ہے تیرا نام برکت والا ہے۔

براہ راست حوالے کے لئے مندرجہ ذیل حدیث سب سے زیادہ واضح ہے: معاویہ ابن الحکم سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک کنیز تھی جو احد کی وادی میں ان کی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہ جگہ الجوریہ کہلاتی تھی۔ ایک دن میں اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ ایک بھیڑ

اس گلے میں سے بھیڑیا لے گیا۔ ایک انسان کی طرح میرے اندر بھی غضب اور غصہ کا جذبہ ہے۔ لہٰذا میں نے پوری قوت سے اس کنیز کے منہ پر طمانچہ مارا[1]۔ پھر جب میں نے یہ واقعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہو! تب میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اسے آزاد کرسکتا ہوں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ میں اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا آسمانوں کے اوپر، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اسے آزاد کردو یہ تو سچی مومنہ ہے۔ (مسلم)

اگر کسی کے مذہب وعقیدہ کی جانچ کی جائے تو منطقی طور پر اس سے یہ پوچھا جائے گا کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سوال دریافت نہیں فرماتے تھے کیونکہ اس دور میں تمام لوگ اللہ کو مانتے تھے قرآن عظیم میں اس کے بکثرت حوالے موجود ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (العنکبوت: ۶۱)

اگر تم ان سے سوال کرو کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا اور سورج چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے کیونکہ اس دور کے مشرکین مکہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے بتوں میں کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس طرح وہ مخلوق کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ لہٰذا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنیز کے ایمان کی جانچ کرنا

۱۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی کو مارو تو چہرے پر مت مارو۔ (مسلم) یہ بھی روایت ہے کہ کسی غلام یا کنیز کو مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردیا جائے۔

چاہتے تھے کہ اس کا عقیدہ مشرکانہ تو نہیں ہے جیسا کہ مکہ کے دیگر مشرکین کا تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ بتوں کو بھی مانتے تھے۔ جب اس کنیز نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے تو مسلمانوں کے نزدیک اس سوال کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے کا یہ بالکل درست جواب تھا۔ لہٰذا اس جواب کی بنیاد پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ عورت مومنہ صادقہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ جیسا کہ آج کے بہت سے مسلمان مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ہے صحیح ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنیز کے اس جواب کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے ضرور اعتراض فرماتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب کو صحیح تسلیم کیا۔ اس لئے اسلامی عقیدہ یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس عقیدہ کی تائید ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کنیز کی بات کو قبول فرمایا بلکہ اس کے ایمان کی جانچ کے لئے اسے بنیاد بھی بنایا۔

۶۔ منطقی ثبوت:

منطقی طور پر دیکھئے تو جہاں دو چیزیں ایک ساتھ موجود ہوں تو ان میں سے ایک شئے یا تو دوسرے پر منحصر ہو سکتی ہے یا اس کے صفات کا حصہ ہو سکتی ہے یا پھر اس کا اپنا الگ اور مستقل وجود ہوگا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا تو یا تو یہ تخلیق اس نے اپنے اندرون میں کی یا پھر اسے الگ وجود کے طور پر تخلیق کیا۔ پہلا نظریہ اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اللہ جو خالق کل لامحدود ماورائے ازل و ابد ہے اس کے لئے یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ اس میں نقص کی محدود صفات اور کمزوریاں ہیں۔ بلاشبہ اس نے اس دنیا کو اپنے سے الگ ایک مستقل وجود کے طور پر تخلیق کیا جو اپنے علیحدہ اور مستقل وجود کے باوصف اس کی محتاج ہے۔ مخلوقات کو اس نے وجود بخشا۔ اب یہ مخلوقات یا تو اس سے برتر ہیں یا اس سے کم تر۔ انسان جس قدر دعائیں کرتا ہے اس میں کہیں بھی وہ اپنے رب کو کم تر نہیں کہتا اور اپنی مخلوق سے کم تر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کے شایان بھی نہیں ہے۔

لہٰذا خالق کو ہر حال میں اپنی مخلوق سے برتر اور منفرد (بالاتر) ہونا چاہیئے۔

جہاں تک اس متضاد بیان کا سوال ہے کہ اللہ نہ انسانوں سے جدا ہے، نہ ان سے وابستہ ہے، نہ وہ زمین پر ہے، نہ اس سے باہر ہے تو اس قسم کا عقیدہ صرف اللہ کے وجود سے انکار کو ظاہر کرتا ہے بلکہ غیر منطقی بھی ہے۔ اس قسم کے دعوے اللہ تعالیٰ کو اس ثانوی درجہ پر پہنچا دیتے ہیں جہاں خیالات کی تحت الشعوری دنیا میں متضاد اشیاء باہمی طور پر برقرار رہ سکتی ہیں اور ناممکنات کا وجود بھی ہے۔ (جیسے ایک وجود میں تین خدا ہونے کا عقیدہ)

۷۔ علمائے متقدمین کا اجماع:

اللہ تعالیٰ کے برتر و ماوراء ہونے کے بارے میں علماء متقدمین کے ملفوظات اس کثرت سے ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ پندرہویں صدی کے معروف محدث الذہبی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا عنوان **العلو العلی العظیم** ہے۔ اس میں انہوں نے ۲۰۰ سے زائد ماضی کے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی ماورائیت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال مطیع البلخی کے اس بیان میں مل جاتی ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے یا زمین پر۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص نے کفر کیا کیونکہ قرآن عظیم میں ہے **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى** (طٰہٰ) اور اس کا عرش ہفت سماوات سے اوپر ہے۔ تب اس (البلخی) نے کہا کہ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ عرش الٰہی آسمانوں پر ہے یا زمین پر، ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس نے کفر کیا کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ آسمانوں سے اوپر ہے۔ پس جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ (العقیدہ الطحاویۃ) اگرچہ آج بہت سے مسلمان جو فقہ حنفی کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اس مسلک کے پہلے دور کے مسلمان ایسا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ واقعہ

جس میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف نے ایک شخص بشر[1] مریسی کو تلقین کی کہ وہ توبہ کرے کیونکہ اس نے اس کا انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ اس دور اور اس کے بعد کے ادوار کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔

خلاصہ:

لہٰذا اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام اور اس کے بنیادی عقیدے کے مطابق

۱- اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل الگ ہے۔

۲- وہ نہ مخلوق کے حصار میں ہے اور نہ مخلوق کسی بھی عنوان سے اس سے بالاتر ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ ہر شئے سے بلند و برتر ہے۔

اسلامی عقیدے کے مطابق یہ اللہ کا حقیقی تصور ہے۔ یہ نہایت سادہ، راسخ تصور ہے اور اس میں کسی ایسے خیال یا عقیدے کی گنجائش نہیں ہے جو مخلوق کی پرستش کی راہ ہموار کرے۔ بہرحال اس سے یہ انکار لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، جس طرح ٹیکنالوجی اور سائنس کے عروج کے دور میں ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر دنیا میں پیش آنے والے واقعات سے باخبر رہتا ہے اور ان کا مشاہدہ (ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ) کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کائنات میں پیش آنے والی ہر بات کو بغیر کسی واسطہ یا وسیلہ کے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ نہ وہاں ہوتا ہے نہ ان میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ ساری کائنات، ساتوں زمین و آسمان، ان میں جو کچھ بھی ہے، ان کے عناصر و اجزاء اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہیں جیسے تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ (العقیدۃ الطحاویۃ) اور جس طرح ٹی وی کی ایجاد کو ٹیکنالوجی کے کنٹرول کی بہت بڑی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر ذرہ پر اپنی قدرت کاملہ سے کنٹرول کرتا ہے حالانکہ وہ وہاں موجود نہیں ہوتا ہے لیکن

[1] بشر وفات ۸۳۳ عیسوی بغدادی معتزلہ کا بڑا عالم تھا۔

اس کی قدرت اور اس کا حکم بغیر کسی رکاوٹ کے کام کرتا ہے۔ دراصل یہ نظریہ کہ اللہ مخلوق کے اندر رہتا ہے۔ توحید الاسماء والصفات کے تحت شرک ہے کیونکہ اس میں اللہ کی صفات مخلوق سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ اور انسان کی بعض کمزوریاں خالق سے وابستہ کر دی جاتی ہیں یہ انسان کی خاصیت ہے کہ وہ پیش آمدہ واقعات کو دیکھنے سمجھنے اور سننے کے لئے وہاں موجود ہوتا ہے جبکہ اللہ کی قدرت اور علم بے حد و بے حساب ہے۔ انسان کے تمام احساسات پر اللہ کا کنٹرول ہوتا ہے بلکہ اسکے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اللہ ان سے بھی واقف ہوتا ہے۔ ان آیات قرآنی کی روشنی میں اللہ کی قربت کے بارے میں سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ (ق : ۱۶)

بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کے باطن کیا وسوسے (خیالات) اٹھتے ہیں اور ہم اس کی رگ گردن سے بھی قریب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (الانفال – ۲۴)

مومنو! جب اللہ اور اس کا رسول تمہیں بلائیں تو تم (ان کی پکار کا) جواب دیا کرو یہ تمہارے لئے حیات بخش ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان ہے اور تمہیں (بالآخر) اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔

لیکن آیات سے ہرگز یہ مراد نہیں لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کی شہ رگ کے قریب بیٹھا ہوا ہے یا وہ اس کے سینہ کے اندر براجمان ہے۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے بے حد قریب ہے اس کی ہر بات ہر عمل بلکہ اس کے خیالات واحساسات جو اس کے دل میں ابھرتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے کوئی شئے اس کی قدرت

سے ماوراء نہیں ہے، وہ ان سب پر کنٹرول کرتا ہے، اس کی قدرت یہ ہے کہ وہ انسان کے جذبات واحساسات کو تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

اَوَلَا يَعْلَمُونَ اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَايُسِرُّوْنَ وَمَايُعْلِنُوْنَ۝ (البقرہ: ۷۷)

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا. (آل عمران ۱۰۳)

(وہ وقت) یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت پیدا کی اور اس کی رحمت سے تم لوگ باہمی اخوت کے بندھن میں بندھ گئے۔

یہ دعا اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وردِ زبان رہتی تھی۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک.

اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اسی طرح یہ آیات:

مَايَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا. (المجادلہ:۷)

جب تین آدمی آپس میں (خلوت میں) بیٹھ کر بات کرتے ہیں تو ان میں چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر پانچ آدمی ایسی خفیہ باتیں کر رہے ہوں تو ان میں اللہ تعالیٰ چھٹا ہوتا ہے۔ قلت وکثرت کے بغیر وہ بہرحال ان کے ساتھ رہتا ہے وہ جہاں بھی ہوں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ. (المجادلۃ: ۷)

کیا تم نہیں جانتے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ.

قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو

ہر شئے کا علم ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے بارے میں بتا رہا ہے اس سے یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہئے کہ وہ ہر جگہ اور ہر ایک کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے الگ بلند اور بالاتر ہے۔

جہاں اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے کہ زمین و آسمان میں کہیں بھی اللہ کی ذات نہیں سما سکتی وہ صرف مومن صادق کا دل ہی اس کا مقام ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

لیکن اگر اسے اس کے ظاہری معنوں کے مطابق لیا جائے تب بھی کوئی فہم و شعور رکھنے والا انسان یہ نہیں تسلیم کر سکتا کہ اللہ انسان کے اندر رہتا ہے۔ اگر اللہ مومن کے دل میں مقیم ہے اور مومن آسمان و زمین کے درمیان (سطح ارض پر) رہتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ بھی عرش و فرش کے درمیان قیام کرتا ہے۔ بطور مثال اگر "الف" "بے" (ب) کے اندر ہے اور ب "ج" کے اندر ہے تو لازمی طور پر "الف" بھی ج کے اندر (بطن میں) ہوگا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و سنت کی حقیقی تعبیر و تشریح کے مطابق اللہ تعالیٰ کائنات اور مخلوق سے بالا اور برتر ہے اس انداز اور طور سے جو اس کی جلالت و کبریائی کے شایان شان ہے۔ وہ کسی بھی نوع سے مخلوق میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے اور نہ مخلوق اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن اس کا لامحدود علم، رحمت اور قدرت کائنات کے ہر ذرہ کا بغیر کسی رکاوٹ یا تحدید کے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

☆☆☆

باب (۹)

دیدارِ الٰہی

ذات باری (اللہ تعالیٰ کی شبیہ)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا انسان کا دماغ محدود ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے۔ انسان اللہ کے بارے میں صرف اتنا ہی جان سکتا اور سمجھ سکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں (قرآن عظیم میں) بتایا ہے۔ اسی میں اللہ کی ذات وصفات کا ذکر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے دماغ میں اللہ کی شبیہ بنانا چاہے تو وہ راہ راست سے بھٹک جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے تصور سے کلیۃً مختلف اور ماوراء ہے۔ انسان اپنی فکر و تخیل کی تمام توانائیاں اور ندرت بروئے کار لا کر بھی ذات باری کی شبیہ کا تصور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان اپنے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی جو شبیہ تشکیل دے گا وہ کسی نہ کسی پہلو سے انسانی شکل یا انسانی اور دیگر کسی مخلوق کی تصویر کے امتزاج سے بنائی جائے گی۔ ایسی مخلوق جو اس نے دیکھی ہے یا اساطیر میں سنی ہے تخیلی اور فرضی تصویر جسے وہ شبیہ خداوندی قرار دے گا محض اللہ کی کسی مخلوق سے مشابہ ہوگی اور اس کی صفات اس فرضی تصویر یا بت سے منسوب کر دی جائیں گی۔ بہرکیف جذباتی طور پر انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کی تفہیم کی کوشش کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اپنی صفات کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً: القادر یعنی کوئی چیز اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو اللہ کی قدرت (کنٹرول) سے باہر ہو۔ یا الرحمٰن یعنی اللہ کی تمام مخلوق بلا لحاظ اس کے کہ وہ اس کی مستحق ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرماتا ہے۔ ان صفات کو سمجھنے کے لئے اسے اپنے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی صورت گری کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ پس یہی ایک صورت ہے

جس کے ذریعہ انسان اللہ کے بارے میں کچھ سمجھ سکتا ہے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں ذہنی الجھاؤ کے سبب ہی قدیم یونان وروما کے مسیحی حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیمات سے بھٹک گئے ۔ جب ان لوگوں نے عیسائیت قبول کی تو کلیساؤں میں خدا کی تصویر لٹکا دی جن میں ایسے ایک یوروپی مذہبی شخص کی صورت میں دکھایا گیا تھا جس کے لمبے بال اور لمبی سفید داڑھی تھی۔

فلسطین کے ابتدائی دور کے مسیحی یہودی پس منظر لے کر آئے تھے دین موسوی میں خالق کی کسی طرح کی تصویر کشی ممنوع ہے۔ لیکن یوروپین اقوام کا ماضی کا سرمایہ وہ مورتیاں اور مجسمے تھے جن کو وہ دیوتا قرار دے کر پرستش کرتے تھے۔ ہزاروں سال سے یہی ان کا مذہب اور عقیدہ تھا کہ وہ انسانی شکل میں دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیں بنا کر پوجتے تھے، پھر تورات میں کی گئی تحریف سے انہیں اور بھی حوصلہ ملا کیونکہ اب یہی ان کی مذہبی ہدایت کا ذریعہ تھی۔

تورات کے باب اول پیدائش (Genesis) میں یہودیوں نے کائنات کی پیدائش کے بارے میں لکھا:

اور خدا نے کہا کہ میں اپنی صورت پر انسان کی تخلیق کر دوں گا جو میری جیسی شباہت پر ہوگا۔ پس خدا نے انسان کو اپنی شبیہ کے مطابق پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خدا کی شکل پر پیدا کیا۔ (۲۷-۲۶-۱)

تورات کی ان آیات ودیگر اسی قسم کی عبارتوں سے یوروپ کے اولین دور کے عیسائیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ توراۃ یعنی ان کے مذہبی صحیفہ میں انسان کو خدا کی شبیہ پر بنایا گیا ہے اور چونکہ وہ صدیوں سے اپنے معبودوں کے مجسمے انسانی شکل کے مطابق بنا کر پرستش کرتے تھے۔ تورات کی عبارت نے نہیں اس پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کی صورت گری بھی انسانی شکل میں کریں۔ لہٰذا انہوں نے پوری عقیدت مندی سے کثیر دولت صرف کر کے انسانی شکل کے مجسمے اور مرقعے بنائے اور انہیں خدا (معبود) قرار دیا۔

خدا کو انسانی شکل میں پیش کرنے کی روایت بہت قدیم اور عام ہے۔ جب انسان کا صحف سماوی سے رابطہ ٹوٹ گیا جن میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شئے کے مماثل نہیں ہے وہیں انسان گمراہی کا شکار ہوا اور اس نے مخلوق کو معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی اپنے اس عقیدے کے تحت اس نے انسانی شکل میں خدا کی صورت گری اور نقاشی کی۔ کیونکہ زمین پر انسان ہی سب سے بہتر اور افضل مخلوق تھا۔ مثال کے طور پر چین میں چو (CHON) خاندان (۴۰۲ء-۱۰۲۷ قبل مسیح) کی حکمرانی کے دوران ایک غیر مجسم دیوتا ٹائن (سماوات) کی پرستش کی جاتی تھی اسے انسانی شکل دے کر اس کا نام یوہوانگ (Yu-Hoang) رکھا گیا تھا یعنی عظیم شہنشاہ احکم الحاکمین اور عدالت سماوی کا حاکم (ڈکشنری آف ریلیجنس)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بوضاحت یہ بتایا ہے کہ ہم جو بھی تصور کریں اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے کوئی شئے بھی اس کے مماثل نہیں ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۝ (الشوریٰ:۱۱) کوئی بھی شئے اللہ کے مماثل نہیں ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۝ (کوئی ایسا نہیں جو اس کے مساوی یا اس جیسا ہو)

یہ بتانے کے بعد وہ اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ یہ آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ. (الانعام-۱۰۳)

(کوئی آنکھ اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتی لیکن وہ ہر آنکھ پر نظر رکھتا ہے) اس آیت کریمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتا اسے مزید واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے ایک واقعہ کے ذریعہ مثال پیش کی ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ

تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (الاعراف: ۱۴۳)

اور جب موسیٰ مقررہ مقام پر پہنچے اور اللہ نے اس سے بات کی تو موسیٰ نے کہا پروردگار میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں (اللہ نے کہا) تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی جانب دیکھو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکتے ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ جب موسیٰ کو ہوش آیا تو انہوں نے کہا پروردگار تو پاک اور بلند ہے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا مومن ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں کیونکہ پروردگار نے اس دور کے تمام انسانوں میں سے انہیں اپنا پیغمبر بنایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ یا کوئی اور اسے نہیں دیکھ سکتا، کوئی بھی شخص خالق کائنات کی جلالت کے نظارہ کی تاب نہیں لا سکتا ہے۔ اس کی ذات کا مشاہدہ کرنے کی طاقت بھلا کس میں ہو سکتی ہے جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اللہ کے حضور توبہ کی کہ ایک ایسی بات کہی جس کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔

کیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔

کچھ مسلمانوں کا خیال ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی اہتمام کیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جہاں فرشتوں کی بھی رسائی نہیں ہوتی۔ لیکن جب ایک تابعی حضرت مسروق نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟ تو ام المومنین نے کہا تمہاری بات سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے جس شخص نے تم سے یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کا دیدار کیا اس نے جھوٹ بولا۔ (مسلم) اور جب حضرت ابوذر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں صرف نور تھا، میں کیسے دیکھتا۔ (مسلم) ایک اور موقع پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نور کے بارے میں وضاحت کرتے

ہوئے فرمایا کہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ یہ اس کے شایان شان ہے، وہی ترازو کے پلے کو بلند اور پست کرتا ہے۔ بندوں کے رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اس کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، اسی طرح دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پیش کئے جاتے ہیں اور اس کی مرضی سب پر غالب ہے (حضرت ابوموسیٰ الاشعری کی روایت سے مسلم نے نقل کیا)

لہٰذا یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انبیائے سابقین کی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہیں ہوئے۔ اسی بنیاد پر بعض افراد کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے باطل قرار پاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے رسول جنہیں اس نے اپنے پیغمبر کے منصب پر فائز کیا وہ دیدار الٰہی سے مشرف نہیں ہوسکے تو پھر کوئی دوسرا خواہ کتنا ہی متقی وصالح ہو اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے کرسکتا ہے۔ جو کوئی اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے وہ بدعت اور تمرد کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ مضمر طور پر وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مقام رسولوں سے بھی بلند ہے۔

شیطان اللہ تعالیٰ کا روپ دھارتا ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض صوفیا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا انہوں نے کچھ نہ کچھ دیکھا ضرور۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے نور کے ہالے دیکھے اور ان میں کچھ پراسرار وجود بھی دیکھے۔ اس قسم کے صوفیا جو دیدار الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس مفروضہ رویت کے بعد دین کے شعائر کی ادائیگی ترک کردیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں شیطان نے ورغلایا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا ہے تو وہ نماز ترک دیتے ہیں اور دلیل دیتے ہیں کہ اب روحانی طور پر ان کا مرتبہ مخلوق سے بلند ہے اس لئے وہ ان شعائر کے پابند نہیں جو عام مسلمانوں پر فرض ہیں۔ چنانچہ وہ نماز، روزہ کی بھی سختی سے پابندی نہیں کرتے۔ شیخ عبد القادر جیلانی

(۱۱۶۶-۱۰۷۷ء) جو سلسلہ قادریہ کے بانی مانے جاتے ہیں انہوں نے اپنا ایک تجربہ بیان کیا۔ اس تجربہ سے ان دونوں باتوں پر روشنی پڑتی ہے کہ لوگ دیدار الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور شعائر دین ترک کر دیتے ہیں۔ شیخ نے بتایا کہ ایک دن وہ عبادت میں محو تھے اچانک ایک بہت بڑا تخت بر آمد ہوا جو روشنی کے حصار میں تھا، پھر ایک گونج دار آواز سنائی دی اے عبدالقادر میں تمہارا پروردگار ہوں۔ میں نے تمہارے لئے وہ تمام باتیں حلال کر دیں جو دوسرں کے لئے حرام ہیں۔ شیخ جیلانی نے پوچھا کیا تم اللہ وحدہ لاشریک ہو؟ جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمن! دفع ہو جا، اس پر وہ روشنی غائب ہوگئی اور اندھیرا چھا گیا۔ تب اس آواز نے کہا عبدالقادر تم نے اپنے علم اور دینی شعور کے ذریعے مجھے شکست دیدی اور میری حکمت عملی کو ناکام کر دیا، میں اسی طریقے سے ستر زاہدوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ بعض لوگوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے پہچانا کہ وہ شیطان ہے؟ شیخ نے فرمایا: جب اس نے کہا کہ اللہ نے ہر چیز جو دوسروں پر حرام ہے تمہارے لئے حلال کر دی ہے تو مجھے احساس ہوا کہ احکام شریعت جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، نہ انہیں منسوخ کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ اس نے کہا میں تمہارا رب ہوں لیکن جب میں نے اس کی توثیق چاہی تو وہ خاموش ہوگیا۔ (التوسل والوسیلہ امام ابن تیمیہ)

اسی طرح ماضی میں بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے رؤیا میں کعبہ کا طواف کیا۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بڑا تخت دیکھا جس پر ایک نورانی وجود متمکن تھا۔ بہت سے لوگ اس تخت کے گرد جمع ہیں ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور اس تخت پر بیٹھا ہوا اللہ ہے حالانکہ درحقیقت وہ شیطان اور اس کے چیلے ہوتے ہیں۔ (ابن تیمیہ التوسل والوسیلہ)

بالآخر اس قسم کے ادعا کو کہ کسی بزرگ نے سوتے میں یا جاگتے میں اللہ کا دیدار کیا محض شیطان کا وسوسہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو کہ اس کا نفسیاتی اور جذباتی حربہ بھی ہے۔

اس کیفیت میں شیطان روشنی کے ہالے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور اپنے آپ کو پروردگار بتاتا ہے۔ جو لوگ توحید کے مفہوم سے پوری طرح واقف نہیں ہیں وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے رب کا دیدار کیا ہے اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سورۃ النجم کے معنی:

بعض لوگ اس دعوے کے ثبوت میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ سورہ النجم کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى○

جب وہ افق اعلیٰ پر تھا تب وہ قریب آیا اور اترا۔ پھر دونوں کے درمیان ایک کمان کے دو حصوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ تھا، پھر اس نے اپنے بندے کو وحی کی جو بھی وحی کی۔ جو کچھ اس نے دیکھا اس کے قلب نے اسے جھٹلایا نہیں، کیا تم اس سے اس بارے میں حجت کرو گے جو کچھ اس نے دیکھا اور بلا شبہ اس نے اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک۔ یہ لوگ اسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا لیکن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروق کو بتایا کہ امت میں سب سے پہلے میں نے اس بارے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے میں نے صرف ان ہی کو دو بار ان کی اصلی ہیئت میں دیکھا ہے۔ میں نے انہیں آسمانوں سے اترتے دیکھا ان کی جسامت کا یہ عالم تھا کہ زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ تھا وہ سب بھر گیا تھا۔ اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان (مسروق) سے کہا کیا تم نے قرآن عظیم کی آیت نہیں پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ. اور کیا تم نے یہ آیتیں نہیں پڑھیں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔

(الشوریٰ: ۵۱)

اللہ تعالیٰ کسی انسان سے صرف اسی طرح بات کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل کرے یا حجاب کے پیچھے سے بات کرے یا فرشتہ بھیج کر وحی کرے۔

لہٰذا سورۃ النجم کی ان آیات سے اور خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اللہ کو نہیں جبرئیل کو دیکھا تھا۔ پس ان آیات سے یہ غلط تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔

اللہ کا دیدار نہ ہونے کے پیچھے کیا مصلحت ہے؟

اگر ہم اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکتے تو اس میں بہت سی آزمائشیں پیش آتیں۔ اس وقت صرف یہ آزمائش ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وجود پر بغیر دیکھے یقین کریں اور ایمان لائیں اگر اللہ کا دیدار اس دنیا میں ہوتا تو ہر شخص اس پر اور جو کچھ اس کے رسولوں نے تعلیم دی ایمان لاتا۔ اس طرح انسان فرشتوں کی طرح ہو جاتا جبکہ اللہ نے انسان کو فرشتوں سے بھی بلند بنایا ان کا ایمان بلا کسی آزمائش کے تھا۔ انسان کا کفر کے مقابلے ایمان کو اختیار کرنا ایک ایسی صورت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے وجود پر سوال اٹھایا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت کے دن تک ایسا ہی رہے گا۔

آخرت میں دیدار الٰہی:

قرآن عظیم میں متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ حشر کے دن کے بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ٥ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ٥ (القیامہ: ۲۳-۲۲)

اس دن کچھ چہرے دمک رہے ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا جب بعض صحابہ نے پوچھا کیا ہم حشر میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم پورے چاند کو دیکھتے ہو تو کیا تمہاری بینائی کو نقصان پہنچتا ہے صحابہ نے عرض کیا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ تم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھو گے۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا: یقیناً جس دن تم اللہ سے ملو گے تم اسے براہ راست دیکھو گے تمہارے اور اللہ کے درمیان نہ کوئی حجاب (پردہ) ہوگا نہ ترجمان۔ (بخاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حشر کا دن وہ پہلا دن ہوگا جب انسان پہلی بار اللہ جل جلالہٗ کو دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کے لئے ایک خصوصی مرحمت ربانی ہوگا اور دیدار الٰہی ان تمام نعمتوں سے بڑھکر ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں مومنین وصالحین کے لئے فراہم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ٥ (ق: ۳۵)

(جنت میں) جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ انہیں ملے گا اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت انسؓ کا کہنا ہے کہ یہاں وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ سے مراد یہ ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بھی مشرف ہوں گے (الطبری) حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. (یونس: ۲۶)

جو لوگ اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لئے بڑا اجر ہے اور کچھ اس سے بھی زیادہ ہے۔

جب اہل جنت، جنت میں اور اہل النار جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے تو ایک نقیب پکارے گا اے اہل جنت اللہ تعالیٰ تم سے ایک وعدہ پورا کرنا چاہتا ہے، وہ پوچھیں گے کون سا وعدہ؟ اس نے ہمارے چہرے روشن کئے ہمیں ہمارے نیک اعمال کی جزا دی، جنت

میں پہنچایا، ہم میں سے بعض کو جہنم سے بھی آزاد کیا اور اب اور کون سا وعدہ پورا ہونا باقی ہے۔ اس پر پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ جنت کی کوئی نعمت بھی ان کے لئے دیدارِ الٰہی سے زیادہ مرغوب و دل پسند نہیں ہوگی۔ اور یہی وہ نعمت ہے جسے مزید سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (الترمذی)

پہلے یہ آیت پیش کی گئی تھی کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ.

(الانعام: ۱۰۳)

کوئی آنکھ اللہ کو نہیں دیکھ سکتی جبکہ اللہ کی نگاہ سب پر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس حیات دنیا میں کوئی شخص اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن آخرت میں یہ اللہ کے مکمل وجود کو دیکھنے کی نفی کرتا ہے۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کا جزوی دیدار ہی کریں گے کیونکہ آخرت میں بھی انسان کی بصارت محدود ہی ہوگی اور وہ اللہ رب العزت کو جو لافانی، لامحدود، خالق کل اور سب سے بالا و برتر ہے اپنی محدود بینائی سے اس کے مکمل وجود کا مشاہدہ نہیں کرسکیں گے۔ کافروں کو اللہ کے دیدار کا شرف ہی حاصل نہیں ہوگا اور یہ ان کے لئے ایک اور بدنصیبی اور خسارہ کی علامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ. (المطففین: ۱۵)

اس دن وہ لوگ پروردگار کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ بھی ایک ایسا موضوع ہے جو مسلمانوں کے درمیان کسی حد تک بحث و اختلاف کا عنوان بنا ہوا ہے۔ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے (خواب میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور خصوصی رشد و ہدایت سے سرفراز ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے بحالت خواب زیارت کی جبکہ بعض بحالت بیداری دیدار سے مشرف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دونوں کی طرف ہی عوام رجوع ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ مختلف بدعات

شروع کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب انہیں منسوب کر دیتے ہیں۔ ان دعوؤں کی بنیاد حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ قتادہ اور جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا کیونکہ ابلیس میری شباہت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری) بلا شبہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے معنی سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس کے معنی میں کچھ نکتے ہیں جو قابل غور ہیں:

۱- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان مختلف شکلوں میں خواب میں آ سکتا ہے اور لوگوں کو بہکا سکتا ہے۔

۲- شیطان کسی بھی حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ اختیار نہیں کر سکتا۔

۳- اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جا سکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے صحابہ سے فرمائی جو آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت کو بخوبی پہچانتے تھے۔ لہٰذا اگر خواب میں ذات پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے انہیں سرفراز کیا گیا اور شیطان کیونکہ شباہت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ رؤیا صادق ہے۔ لیکن وہ لوگ جو دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفیاب نہیں ہوئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ شیطان مختلف شکلیں اختیار کر کے انسانوں کے خواب میں آ کر ورغلاتا ہے۔ اس لئے شیطان خواب میں آ کر ان کو بہکا سکتا ہے کہ وہ رسول خدا ہے اور چونکہ وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت پاک کا شناسا نہیں، لہٰذا وہ مغالطہ کا شکار ہو سکتا ہے۔ پھر شیطان اس خوابیدہ شخص کو بدعات کی تلقین کرے گا۔ اسے بشارت دے گا کہ وہ مہدی منتظر ہے یا عیسیٰ مسیح ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہو گا، ایسے بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے خوابوں کی بنیاد پر مذہب میں بدعات شروع کیں یا اس قسم کے دعوے

کئے اور لوگ ان کی طرف راغب ہوئے کیونکہ انہیں اس حدیث کے صحیح عواقب کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ شریعت کا فیصلہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ پس اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے خواب میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نئی باتیں تعلیم فرمائیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس قسم کے ادعا سے دو باتیں سامنے آتی ہیں: (۱) یہ کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں دین کا کام مکمل نہیں کیا۔ یا (۲) یہ کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ امت کے مستقبل کے احوال سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ضروری احکامات جاری نہیں کئے ان دونوں باتوں سے اسلام کے بنیادی عقائد کی نفی لازم آتی ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کے عالم میں دیکھنے کا سوال ہے ایسا مشاہدہ مذکورہ بالا حدیث کی حدود سے ماوراء ہے۔ اس لئے معتبر نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ حدیث کے اعتبار سے یہ ناممکنات میں سے ہے اور اسے شیطانی مشاہدہ کہا جاسکتا ہے خواہ اس کے عواقب کچھ بھی ہوں۔ شب معراج جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یروشلم کا سفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین سے آپ کی ملاقات کرائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بات بھی کی۔ جو لوگ اس قسم کا دعویٰ (عالم بیداری میں آپ کا دیدار) کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی پہنچانا چاہتے ہیں۔

اسلامی عقیدہ کے تحت اس قسم کا کوئی دعویٰ قطعی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ احادیث سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی ایسی بات دین میں ایجاد کی جو ہم سے ثابت نہیں وہ مردود (مسترد) ہے۔ (بخاری)

☆☆☆

باب (۱۰)

اولیاء کی پرستش

اللہ کا فضل و کرم:

یہ انسانی فطرت کی خاصیت ہے کہ وہ کسی شخص کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے، وہ اس شخص سے بے حد عقیدت رکھتا ہے اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے بجائے اس کے کہ وہ اپنی بابت خود سوچے اور فیصلہ کرے، وہ اس شخص پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ یہ فضیلت مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ.

(النساء: ۳۴)

اس فضیلت کے اعتبار سے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا کی ہے مرد عورتوں کے سرپرست ہیں: وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ (البقرہ: ۲۲۸) (اور مرد کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے) اور بعض لوگوں کو مادی اعتبار سے دوسروں پر فوقیت دی گئی ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ. (النحل: ۷۱)

اور رزق کے معاملہ میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی ہے

ہدایت ربانی کے تحت قبائل بنی اسرائیل کو بنی آدم پر ترجیح دی گئی۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ○ (البقرہ: ۴۷)

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کیں اور تمہیں اہل

عالم پر برتری عطا کی۔ انبیاء کو رسالت کے ذریعہ دیگر انسانوں پر فضیلت عطا کی گئی اور انبیاء میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت عطا ہوئی: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (البقرہ:۲۵۳) (یہ انبیاء ہیں ہم نے ان میں بعض کو بعض پر ترجیح دی)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ ہم ایسی چیزوں کی تمنا نہ کریں جس کے ذریعہ اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (النساء: ۳۲)

ایسی چیزوں کی تمنا مت کرو جس کے ذریعہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی ہے۔

کیونکہ فضیلتیں ایک طرح کی آزمائش ہوتی ہیں جس کے تحت اس شخص پر بہت زیادہ ذمہ داریاں بھی آ جاتی ہیں۔ انسان یہ فضیلتیں اپنی جد و جہد سے حاصل نہیں کرتا۔ اس لئے اس پر غرور کرنا بے جا ہے۔ ان فضیلتوں پر اللہ ہمیں اجر نہیں دے گا بلکہ ان کے بارے میں اللہ کے دربار میں حساب پیش کرنا ہوگا کہ ہم نے ان صلاحیتوں کا کیا استعمال کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی: اپنے سے نیچے شخص کو دیکھو، اپنے سے افضل کو مت دیکھو۔ اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکو گے اور ان نعمتوں کے منکر نہیں ہوگے۔ (بخاری)

ہر شخص کو کسی نہ کسی نوعیت سے کسی دوسرے پر فوقیت حاصل ہے اور اسے اپنی اس فوقیت اور صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کرنی ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اسے اپنے متعلقین کی بابت اپنی ذمہ داریوں کا حساب دینا ہوگا۔ یہ ذمہ داریاں ہی اس آزمائش کی بنیاد ہیں۔ اگر ہم ان صلاحیتوں اور فضیلتوں کا صحیح استعمال کریں اور اللہ کے شکر گزار بندے بنیں تو ہم کامیاب ہیں ورنہ ناکامی ہمارا مقدر ہے۔ اللہ کی سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اسی فضیلت کے سبب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ

آدم کو سجدہ کریں۔ انسان پر یہ ذمہ داری دو قسم کی ہے:

۱- یہ کہ وہ اللہ کا دین اسلام قبول کرے اور اس کی اطاعت کرے۔

۲- یہ بھی ایک اجتماعی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو ہر طرف پھیلایا جائے۔ لہٰذا اللہ کے نزدیک مومن کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ذمہ داریوں کو بجالاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ. (آل عمران:۱۱۰)

لوگوں کے درمیان تم سب سے بہتر امت (قوم) ہو، تم نیکیوں کی تلقین کرتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

ان اہل ایمان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ یہ فضیلت انہیں اپنے اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ فضیلت ایمان کی پختگی اور گہرائی کے سبب ہوتی ہے۔ ایمان کی یہی پختگی اسے ہر اس چیز سے دور رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، عربی میں اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم اللہ کا خوف، پارسائی اور اللہ تعالیٰ نیز شریعت کے بارے میں حساس ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ. (الحجرات: ۱۳)

تم میں سے جو زیادہ متقی ہیں وہ اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اس کے نزدیک عزت و اکرام کا معیار مومن کا تقویٰ ہے۔ یہ تقویٰ یعنی خشیت الٰہی ہی ہے جو انسان کو دوسروں سے برتر کر کے حیوان ناطق سے خلافت کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ تقویٰ یعنی انسان کی زندگی میں خشیت الٰہی کے جذبہ میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں تقویٰ اور اس کے ماخذ کا ۲۶ جگہ ذکر کیا ہے اور ہر جگہ یہی بتایا ہے کہ دین کی اصل روح تقویٰ میں ہی ہے۔ اس کے بغیر تمام اعتقاد شعائر و عبادات وغیرہ محض بے روح اعمال و مظاہر ہیں۔ لہٰذا ایک مومن کی زندگی کے جملہ امور میں تقویٰ کو ہر شئے پر برتری حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت سے شادی چار باتوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے: اس کی دولت، اس کے خاندان، اس کے حسن اور اس کی دینداری کو دیکھ کر۔ عورت کی دینداری کو دیکھ کر رشتہ کرو کامیاب رہو گے۔ (بخاری) کوئی عورت کتنی ہی حسین، صاحب ثروت اور اعلیٰ خاندان کی ہو مگر ایک غریب، بدصورت، کم ذات لیکن دیندار عورت سے اس کا مرتبہ کم تر ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک متقی شخص کسی عورت سے شادی کا متمنی ہے تو اس عورت کے سرپرستوں کو یہ رشتہ قبول کر لینا چاہئے ورنہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلے گا۔ (بخاری)

حضرت ابوذر نے ایک بار حضرت بلال کو کالی عورت کا بیٹا کہا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فہمائش کی اور فرمایا: دیکھو تم میں سے کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس سے زیادہ متقی ہو۔ (احمد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بار بار دہرایا، حجۃ الوداع میں بھی جو وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے ادا کیا اپنے خطبہ میں نسلی برتری کے جذبہ کو مسترد کرتے ہوئے تقویٰ کی فضیلت پر زور دیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی شخص ہی مستحق عزت ہے اور تقویٰ کا مقام دل ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو ان کے ظاہری اعمال کی بنیاد پر سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ گمراہ کن بھی ہو سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسے واضح کر دیا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ (البقرہ:۲۰۴)

اس دنیاوی زندگی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی باتیں تمہیں مسحور کر دیتی ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو شاہد بناتا ہے حالانکہ وہ بدترین شخص ہے۔ لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی شخص یا اشخاص کے ورع و تقویٰ کے بارے میں ایک ممکنہ حد سے زیادہ بات کرے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو ان کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔ (ان عشرہ مبشرہ میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زیاد، عبدالرحمن بن

عوف، ابوعبیدہ بن الجراح شامل ہیں۔ العقیدۃ الطحاویۃ) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت وحی کی بنیاد پر دی تھی اپنے آپ ان کے دلوں کا اندازہ کر کے نہیں دی۔ مثلاً جب آپ نے بیعت رضوان کے موقع پر فرمایا کہ جس شخص نے اس پیڑ کے نیچے بیعت کی ہے وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت قرآنی کی تفسیر فرما رہے تھے کہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ. (الفتح: ۱۸)

جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان لوگوں کے بارے میں جن کی بابت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں فرمایا کہ وہ اہل النار میں سے ہیں۔ یہ تمام باتیں وحی پر مبنی تھیں۔ ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ انہیں حضرت عمر بن خطاب نے بتایا کہ جنگ خیبر کے دوران کچھ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے فلاں فلاں شخص شہیدوں میں سے ہیں جب انہوں نے ایک اور شخص کے بارے میں یہی بات کہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم کی آگ میں وہ عبا پہنے ہوئے دیکھا ہے جو اس نے مال غنیمت میں خیانت کر کے حاصل کی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب جاؤ اور اعلان کر دو کہ صرف مومن ہی جنت میں جائیں گے۔ (مسلم) قدیم عیسائی روایات میں بعض ایسے افراد کی غلو کے ساتھ تعریف کی جاتی تھی جو ان کے زعم میں بڑے صاحب تقویٰ اور روحانی کمالات کے حامل تھے۔ ان سے معجزے منسوب کر کے انہیں سینٹ (ولی) کے مرتبہ پر فائز کیا جاتا تھا۔ ماقبل مسیح دور میں ہندو اور بدھ روایتوں میں بھی یہ ملتا ہے کہ اساتذہ (اچاریہ) کو جو روحانی عروج حاصل کر لیتے تھے گرو اور اوتار وغیرہ کے لقب دیئے جاتے تھے۔ ان سے مافوق الفطرت کرشمے بھی منسوب کئے جاتے تھے اور روحانی اعتبار سے وہ سب سے بالا سمجھے جاتے تھے۔ عقیدت کے ان جذبات کے تحت عوام یا تو ان سے برکت حاصل کرتے یا پھر (اوتار کے طور پر) ان کی پرستش کرتے تھے۔ اس

طرح یہ سنت لوگوں کے معبود بن گئے۔ اس کے برعکس اسلام خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بھی غلو کی ممانعت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری نسبت ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائی مسیح ابن مریم کے بارے میں کرتے ہیں۔ میں اللہ کا بندہ ہوں پس یہ کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ (بخاری)

ولی یا سینٹ:

عربی لفظ ولی کا ترجمہ سینٹ کیا گیا ہے۔ (ولی کی جمع اولیاء ہے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تقوی اور اعمال صالحہ کے سبب اللہ کا قرب حاصل کر لیتے ہیں لیکن ولی کا بہتر ترجمہ قریبی دوست ہے کیونکہ ولی کے لغوی معنی ساتھی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں اپنے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ. (البقرۃ: ۲۵۷)

اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔

ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے لئے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔

وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ○

(النساء: ۱۱۹)

جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا دوست (ولی) بنایا وہ انتہائی نقصان میں رہا۔

اس لفظ کے معنی قریبی رشتہ دار کے بھی ہوتے ہیں۔

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ. (الاسرا: ۳۳)

جو بھی غلط طور پر قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو با اختیار کیا لیکن قصاص میں حد سے مت گزرو۔

قرآن عظیم میں اسے دو آدمیوں کے درمیان قربت کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: ۲۸)
اہل ایمان کو اللہ کے بجائے کفار کو اپنا اولیاء نہیں بنانا چاہیئے۔

لیکن ہم جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اس کے مطابق اولیاء اللہ کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کے معنی اللہ کے دوست کے ہیں قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع آدم میں سے بعض لوگوں کو جنہیں وہ خصوصاً اپنے قریب سمجھتا ہے اس لقب سے موسوم کیا ہے۔ سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ اَوْلِيَآءُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.

بیشک اللہ کے اولیا (دوست) صرف متقی لوگ ہی ہیں لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ اور سورہ یونس میں ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (یونس: ۶۲-۶۳)

سنو! اللہ کے دوستوں (اولیاء اللہ) کو کوئی خوف یا رنج لاحق نہیں ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا کہ ولایت کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے اور مومنوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ جاہلوں میں ولایت اس شخص سے منسوب کی جاتی ہے جو صاحب کرامات ہو۔ یہ لفظ رسولوں کے معجزہ سے الگ ہے۔ جو لوگ ان باتوں کو مانتے ہیں ان کے نزدیک دین اور معجزات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ان میں سے بعض جنہیں سینٹ کہا جاتا ہے وہ بدعات پر عمل کرتے تھے، بعض شعائر دین کو بھی چھوڑ دیتے تھے اور بعض تو غیر اخلاقی اور ناشائستہ افعال کے مرتکب بھی ہوتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزہ یا کرامات کو ولایت کی شناخت یا شرط نہیں بتایا۔ لہٰذا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا وہ تمام مومنین جو ایمان اور تقویٰ کے حامل ہیں اللہ کے ولی ہیں اور اللہ ان کا ولی ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے جو لوگ اہل ایمان ہیں اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے (اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ

امنوا) لہٰذا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بعض لوگوں کو اولیاء اللہ کہیں اور بعض کو ایسا نہ کہیں۔ اسلام کی اس واضح تعلیم کے باوجود صوفیا کے وہاں اولیاء کا ایک مستقل درجہ بندی (ھائی آرکی) بنادی گئی ہے اور جاہل عوام آنکھیں بند کر کے اس پر یقین کرتے ہیں۔ تصوف کی اس ترتیب کے مطابق اخیار کی تعداد ۳۰۰ ہے، ابدال کی تعداد ۴۰ ہے، ۷ ابرار ہیں، ۴ اوتاد، ہیں ۳ نقباء ہیں۔ قطب جو اپنے وقت کا سب سے بڑا سنت سمجھا جاتا ہے اس فہرست میں غوث کا نام سب سے اوپر ہوتا ہے۔ سب سے بڑا ولی جس کے بارے میں بعض حلقوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ بندوں کے بعض گناہ اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ صوفیاء کے عقیدہ کے مطابق تین سب سے بڑے اولیاء غیر مرئی طور پر مکہ معظّمہ میں نمازوں کے اوقات میں موجود ہوتے ہیں۔ جب غوث مرتا ہے تو قطب اس کی جگہ لیتا ہے اور پھر درجہ بدرجہ ترقی ہوتی ہے۔ یعنی ہر ولی دوسرے بڑے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) تصوف میں یہ اساطیری نظام عیسائیت سے لیا گیا ہے تسبیح پر ذکر و ورد ادا کرنا عیسائیوں کی روزری (Rosary) کی نقل ہے اور میلاد کی تقریبات کرسمس (میلاد مسیح) سے مستعار ہیں۔

فنا۔ انسان کا ذات باری سے اتصال:

اگر ہم نام نہاد صوفیا کے احوال کا بغور مطالعہ کریں تو اس میں حلاج جیسے لوگ بھی ملیں گے جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور انا الحق کا نعرہ لگایا اسے سر عام دار پر چڑھا دیا گیا۔ اللہ نے پہلے ہی فرمایا: ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی (الحج: ٦)

اللہ تعالیٰ ہی حق ہے وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اس مجنون کو اس قسم کا دعویٰ کرنے کی ترغیب کہاں سے ملی یہ دراصل اس کا وہ عقیدہ تھا جو انسان کے حتمی انجام کے بارے میں ہے اور جو بدھ مت کے عقیدہ، نروان[1] سے ملتا

۱۔ سنسکرت کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں ہوا ہو جانا۔ یعنی تمام انسانی خواہشات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جلتا ہے بدھ مت کی ایک شاخ کے عقیدے کے مطابق اس سے مراد انا کا ختم ہو جانا اور انسانی روح اور شعور کا فنا ہو جانا ہے۔ اسی نظریہ سے تصوف کا وہ فلسفہ وجود میں آیا جسے انسان کا ذات خداوندی سے اتصال کہتے ہیں۔ یعنی انسانی زندگی کی انتہا ذات باری میں ضم ہو جانا ہے۔

تصوف کی بنیاد یونانی فلسفہ سے پڑی، اس میں مکالمات افلاطون کو بھی دخل ہے جس میں ارتقائے روحانی کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں جو سخت مجاہدے سے طے کئے جاتے ہیں۔ ان سلوک و مقامات سے گزر کر ہی انسان کی روح وصال خداوندی سے سرفراز ہوتی ہے۔ ہندو دھرم میں اس کے متوازی تصور ہے آتما اور برہما، آتما (انسانی روح) برہما (ذات مطلق) سے اتصال۔ یہی روح کی آخری منزل ہے اور یہاں پہنچ کر وہ بار بار پیدا ہونے کے سلسلے (تناسخ) سے آزاد ہو جاتی ہے۔ (کولن انسائیکلوپیڈیا) یونانی تصوف کے نظریات کو عیسائیوں کی باطنی تحریک کے دور میں فروغ حاصل ہوا جو ویلینٹنس (Velentinus) (۱۴۰ء م) کی طرح دوسری صدی مسیحی میں عروج کو پہنچی۔ یہ نظریات تیسری صدی عیسوی میں افلاطونیت کے امتزاج کے بعد نئی فکر سے آشنا ہوئے جو مصری نژاد رومی فلاسفر بطلیموس (۲۷۰-۲۵۰ء) نے پیش کئے تھے، جس سے ایک نئے مذہبی فلسفہ نو افلاطونیت کا آغاز ہوا۔ تیسری صدی مسیحی کے راہبوں نے جو تارک الدنیا تھے دین مسیحی میں خانقاہیت کی بنیاد ڈالی اور مصر کے صحراؤں میں جا بسے۔ انہوں نے وصال خداوندی کیلئے تصوف کو اختیار کیا جو اس دور میں نو افلاطونی فلسفے نے پیش کیا تھا۔ یہ منزل مراقبہ رہبانیت زہد اور نفس کشی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی تھی۔ اگرچہ سنت پاکومیٹس (۳۴۶-۲۹۰ء) نے سب سے پہلے عیسائی خانقاہیں بنائیں اس نے صحرائے مصر میں نو خانقاہیں قائم کیں۔ تاہم نورسیا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) فنا ہو جاتی ہیں اور نجات حاصل ہوتی ہے، اگرچہ یہ اصطلاح ویدانت بھاگوت گیتا اور ویدز سے ماخوذ ہے لیکن بدھ دھرم میں اس کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔ بدھ دھرم کے ایک فرقہ ھین یان کے مطابق اس اصطلاح کا مطلب فنا ہے جبکہ دوسرے فرقے مہایان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ روحانی سرور کی ایک کیفیت کا نام ہے (ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن (ڈبلیو ایل)

کا سنٹ بینڈ کٹ (۵۴۷-۴۸۱ء) جس نے اٹلی کے مونٹے کا سینو میں بینڈ کٹ کے ضابطے مرتب کئے۔ اسے مغربی عیسوی خانقاہوں کا اصل موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ تصوف کی روایات نے عیسائی مذہب میں رہبانیت اور خانقاہیت کو زندہ رکھا اور جب آٹھویں صدی عیسوی میں اسلام نے مصر و شام کو فتح کیا اور ان ملکوں کے بڑے شہر مسلمانوں کے زیرنگیں آ گئے جو رہبانیت و خانقاہیت کے اہم مراکز تھے تو یہ نظم مسلمانوں میں بھی بار پا گیا۔[۱] بعض ایسے مسلمان جو اس سے مطمئن نہیں تھے جو شریعت اسلامیہ نے انہیں عطا کیا تھا انھوں نے شریعت کے متوازی ایک نیا نظام برپا کیا اور اسے طریقت کا نام دیا۔

جس طرح ایک ہندو کا عقیدہ ہے کہ اسے بالآخر روح ازل سے مل جانا ہے اور عیسائی اپنی منزل وصال خداوندی قرار دیتے ہیں۔ مسلم صوفیاء نے اس کے مقابلے میں فنا کا تصور اختیار کیا۔ بعض کے نزدیک انا کو ختم کرنا اور زندگی میں ہی وصال خداوندی سے روح انسانی کا سرفراز ہونا۔ یہ منزل پانے کے لئے مختلف سلوک و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے تصوف کی اصطلاح میں انہیں مقامات اور حالات کہتے ہیں۔ تصوف کے کسی سلسلے میں داخل ہونے والے شخص کو ابتدائی طور پر بعض روحانی ریاضتوں کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے تب ہی اسے وصال میسر ہوسکتا ہے۔ ان ریاضتوں میں سے ایک ذکر ہے جس میں صوفی سر اور جسم کی حرکات کے ساتھ مسلسل اللہ کے نام اور صفات کا ورد کرتا ہے۔ اس ریاضت میں رقص بھی شامل ہے جیسا کہ جھومنے والے درویش (Whirling) ہوتے ہیں جو وجد و حال کی کیفیت طاری کر کے ذکر کرتے ہیں۔ ان تمام ریاضتوں کو متفرق روایتوں

۱۔ تصوف پر رسالے لکھنے والے بعض اہل قلم نے تصوف کے نظریۂ فنا کا بدھ دھرم کے نروان سے موازنہ کیا ہے لیکن بعض مبصرین کے نزدیک یہ موازنہ غلط ہے کیونکہ نروان میں خدا کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ تناسخ کا عقیدہ ہے جس سے نروان کے ذریعہ نجات ملتی ہے۔ صوفیا کے مسلک میں تناسخ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ (کہ ایک روح، جسم کی موت کے بعد دوسرے جسم میں نموذار ہوتی ہے) وہاں ایک قادر مطلق خدائے برتر کا تصور ہر شئے پر حاوی ہے۔ تصوف نے فنا کے نظریہ کو عیسائیت سے مستعار لیا ہے۔ اس تصور کے تحت انسانی ارادہ اور خواہشات کو خدا کی مرضی و منشاء کے آگے فنا کر دینا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس پر عیسائی تصوف کی بنیاد ہے۔ (مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

کے حوالے سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے تاکہ ان کا جواز ثابت کیا جا سکے لیکن صحیح احادیث کے کسی مجموعہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ پھر تصوف میں مختلف سلسلے قائم ہو گئے جنہیں ان کے بانیوں کے نام سے موسوم کیا گیا، جیسے قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، اور تیجانی وغیرہ۔ یہ بھی عیسائیوں کے راہبوں کے سلسلوں کو دیکھ کر قائم کئے گئے تھے۔ تصوف کے ان بانیوں سے کرامات وکشف منسوب کئے گئے سلسلے کے بانیوں نیز دیگر ممتاز ارکان کے بارے میں بھی ایسی ہی طلسماتی کہانیاں تصنیف کر لی گئیں۔ جس طرح ہندو اور عیسائی جوگی اور راہب اپنے مریدوں اور چیلوں کے لئے الگ خانقاہیں اور مٹھ بناتے تھے اسی طرح صوفیوں نے بھی اپنے سلسلے سے وابستہ افراد کے لئے زوایا زاوئے (یعنی گوشے یا خانقاہیں بنا لئے)

وقت گزرنے کے ساتھ تصوف کے عقیدے وصال خداوندی کے نام پر شرک و بدعات پر مبنی متعدد مسالک وجود میں آ گئے مثلاً تصوف کے تقریباً تمام سلسلے اس عقیدے کے حامل ہیں کہ مقام وصول (وصل) حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے لیکن جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا شب معراج انہوں نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا۔ (صحیح مسلم) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ وہ خود یا کوئی بھی دوسرا اللہ تعالیٰ کے دیدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ نے پہاڑ پر جزوی جلوہ کیا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ (الاعراف) بعض نام نہاد صوفی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب وصول کی منزل مل جاتی ہے تو پھر شریعت کے ظاہری شعائر مثلاً نماز پنج وقتہ کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ ان صوفیاء کی غالب اکثریت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صوفی مرشد کے وسیلے اور واسطے سے اللہ سے دعا کی جا سکتی ہے۔ بعض اپنے مرشد کے مزاروں کا طواف کرتے ہیں نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے ہیں اور اس قسم کے ارکان بجالاتے ہیں جو عبادت کے ذیل میں آتے ہیں۔ مصر میں آج بھی زینب اور سید البداوی

کے مزاروں کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ سوڈان میں محمد احمد (مہدی) کی قبر کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ ہندو پاکستان میں بھی بے شمار درگاہوں پر یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

تصوف میں شریعت کو ایک ظاہری طریق قرار دیا جاتا ہے جو ناواقف عوام الناس کے لئے ہے جبکہ طریقت وہ باطنی مسلک ہے جو چیدہ اور روشن ضمیر اشخاص کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن عظیم کی ایسی قیاسی تفاسیر بھی لکھی گئیں جن میں تصوف کی باتوں کا جواز ثابت کرنے کے لئے آیات قرآنی کے معنی ومفہوم میں تحریف کی گئی۔ فلسفہ یونان کے نظریات کو موضوع احادیث میں شامل کر کے ایسا لٹریچر تیار کیا گیا جو صحیح اسلامی عقائد و نظریات سے متصادم تھا پھر اسے عوام میں پھیلایا گیا اور انہیں صحیح عقیدے سے برگشتہ کیا گیا۔ تصوف کے اکثر سلسلوں میں مزامیر (موسیقی) کو جائز ٹھہرایا گیا اور نام نہاد بلند مقامات طے کرنے کے لئے جس کی طلب ہر صوفی کو ہوتی ہے منشیات کا استعمال بھی شروع کر دیا گیا۔ متاخرین صوفیا کی نسلیں اس موروثی عقیدے کے تحت ابھریں کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جا سکتا ہے۔ صوفیائے متقدمین مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ جن سے تصوف کے سلسلے منسوب ہیں خالق ومخلوق کے درمیان فرق کو سمجھتے تھے اور اس کی اہمیت سے بھی پوری طرح واقف تھے کہ (خالق ومخلوق) دونوں کو یکجا نہیں کیا جا سکتا ایک لافانی ولامحدود ہے جبکہ دوسرا آنی وفانی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ سے واصل ہونا:

اللہ تعالیٰ سے کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے جو عمل صالح کرتا ہے۔ اللہ کے صالح بندے اللہ کو علیم وبصیر مانتے ہیں اور اس کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی مستعدی سے کرتے ہیں اگر غیر شعوری طور پر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو کفارہ کے طور پر متعدد نیک کام انجام دیتے ہیں۔ یہ نفلی عبادات فرائض کی حفاظت کرتی ہیں۔ مثلاً: کمزوری یا غفلت کے سبب بعض اوقات ایک شخص فرائض کی ادائیگی میں سستی اختیار کر لیتا ہے۔ نفلی

ارکان عبادت کی انجام دہی میں بعض اوقات غفلت بھی ہوسکتی ہے لیکن فرائض کی ادائیگی مستعدی سے کی جانی چاہئے۔ اگر ان کے پاس نفلی عبادات کا اثاثہ نہیں ہے اور وہ کسی دور میں روحانی غفلت کا شکار ہوئے اور ایسے عالم میں ان سے بعض فرائض کی ادائیگی میں غفلت ہوسکتی ہے یا چھوٹ بھی سکتے ہیں۔ پس جو شخص نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ فرائض کا تحفظ کرتا ہے تو شریعت سے قریب ہوتا ہے جو اللہ کی رضا کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ امت کو اس اصول سے آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ فرماتا ہے) میرا بندہ ان فرائض کے ذریعہ جو میں نے اس پر عائد کئے ہیں میرے قریب آسکتا ہے۔ میرے بندے نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ بھی میرا قرب حاصل کرتے رہیں گے یہاں تک کہ میں ان سے راضی ہوجاؤں گا او جب مین اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری)

اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جو ان چیزوں کو دیکھتا سنتا اور ان کی طرف جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اور ایسی تمام چیزوں سے بچتا ہے جو حرام ہیں یا حرام کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے لئے انسان کو اپنی زندگی وقف کردینی چاہئے۔ اسی منزل کے حصول سے انسان دنیا میں اپنے دوہرے کردار یعنی اللہ تعالیٰ کا اطاعت کیش بندہ اور زمین پر اس کے خلیفہ کا فریضہ انجام دے سکتا ہے لیکن یہ مقام احادیث میں بیان کئے گئے طریقے پر کاربند ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اول یہ کہ فرائض کی انجام دہی مستعدی سے کی جائے۔ دوسرے یہ کہ نوافل پابندی سے سنت کے مطابق ادا کئے جائیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ بندوں کو نصیحت کی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران:۳۱)

(اے نبی آپ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ لہٰذا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کر کے اور تمام بدعات سے دامن کش رہ کر ہی بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں جسے نجیح نے روایت کیا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہو اور اسے مضبوطی سے پکڑو اور بدعات سے بچو وہ گمراہی ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم کے راستے پر لے جاتی ہے۔ (ابوداؤد) پس جو شخص اس اصول پر عمل کرے گا وہ وہی بات سنے گا جو اللہ تعالیٰ اسے سنانا چاہتا ہے۔ اپنے صالح بندوں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الفرقان:٦٣)

اور جب جاہل لوگ ان کے منہ آتے ہیں تو وہ سلام کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں)

ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ. (نساء:۱۴۰)

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ تمہیں بتا دیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے یا مضحکہ اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو حتی کہ وہ کسی اور موضوع پر بات کریں۔ اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ گے۔ مومن وہی بات سنتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اسے سنانا چاہتا ہے۔ اس طرح استعاراتی طور پر اللہ مومن کا کان بن جاتا ہے، اسی طرح اس کی آنکھ، اس کا ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے۔ یہ اس حدیث کا صحیح مفہوم ہے جو پہلے بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ متقی مومن کا کان آنکھ ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے۔ بدقسمتی سے صوفیا نے اس حدیث کی غلط تعبیر کر کے اسے وصال خداوندی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

روح اللہ:

انسانی روح کے اللہ کی ذات میں فنا ہو جانے کو بھی آیت قرآنی کی غلط تفسیر کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت قرآنی جس میں اللہ فرماتا ہے: ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ:۹) پھر اللہ نے آدم کو درست کیا اور اپنی روح سے اس میں پھونکا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ. (الحجر: ۲۹ - ص: ۷۲)

جب میں نے اسے بنایا سنوارا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔

انہیں اپنے اس نظریہ کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کے اندر روح خداوندی کا جزو ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح پھونکی۔ لہٰذا بنی آدم کو وراثت میں اس روح کا جزو حاصل ہوتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی والدہ کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۹۱)

وہ عصمت مآب (خاتون) تھی پس ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا کے لئے نشانی بنایا۔

پس صوفیا یہ کہتے ہیں کہ انسان کے اندر خالق کی یہ جزوی روح اپنے اصل (خالق) سے واصل ہونے کے لئے بیتاب رہتی ہے جہاں سے یہ آئی تھی۔ لیکن یہ تعبیر درست نہیں ہے۔ انگریزی کی طرح عربی میں بھی ضمیر اضافی (میرا تمہارا) اس (مرد) کا اس (عورت) کا (ہمارا) بھی ذو معنی ہوتے ہیں اور یہ اس عبارت کے سیاق و سباق پر منحصر ہوتا ہے جس میں وہ استعمال کئے گئے ہوں۔ وہ اس صفت یا صلاحیت کو ظاہر کرتے ہیں جو متعلقہ شخص کی ذات کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا:

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (طٰہٰ: ۲۲)

اپنا ہاتھ اپنی عبا میں رکھو تو یہ (بغیر کسی عیب کے) چمکتا ہوا نکلے گا۔ ہاتھ اور عبا دونوں

کا تعلق حضرت موسیٰ سے ہے۔ لیکن ان کے ہاتھ کی ایک صفت تھی کہ وہ ان کے جسم کا حصہ تھا جبکہ عبا (کرتا) ایک ایسی شئے تھی جو ان کے جسم کا حصہ نہیں تھی۔ ایسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی صفات کے بارے میں ہے۔ مثلاً رحمت خداوندی کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (البقرہ:۱۰۵)

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت خاص سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی ایک صفت ہے اور اس کی تخلیق کا حصہ نہیں ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے ''اس کی'' (یعنی اللہ کی) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مخلوق کا خالق ہے لیکن بعض دوسروں کے بارے میں بھی وہ یہی لفظ استعمال کرتا ہے تا کہ ان کے لئے اس کے ہاں جو عزت ہے اس کا اظہار ہو سکے۔ مثلاً اس اونٹنی کے قصہ میں جو حضرت صالح کی قوم ثمود کی جانب بھیجی گئی تھی اللہ تعالیٰ حضرت صالح کے اس قول کو بیان کرتا ہے: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ. (الاعراف:۷۳)

یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو اس نے ایک نشانی کے طور پر تمہاری طرف بھیجی ہے۔ پس اسے چھوڑ دو تا کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے۔

وہ اونٹنی ایک معجزے کے طور پر قوم ثمود میں بھیجی گئی تھی۔ ثمود کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے کسی جگہ چرنے سے روکیں کیونکہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح کعبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے ایک عہد لیا: اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. (البقرہ:۱۲۵) کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔

اور حشر کے دن نیکوکاروں سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ. میری

جنت میں داخل ہو جاؤ۔

جہاں تک روح کا تعلق ہے تو یہ اللہ کی تخلیق ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًاo (الاسرا:۸۵)

وہ لوگ روح کی بابت آپ سے سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں اس کے بارے میں بہت کم علم عطا ہوا ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. (آل عمران:۴۷)

اللہ جب کسی امر کی بابت فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی فرمایا خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُo (ال عمران: ۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اسے (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا (وجود میں آجا) اور اس کا وجود ہو گیا تمام مخلوقات کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم کن (ہو جا) ہے لہٰذا روح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تخلیق ہوئی۔ اسلام اللہ تعالیٰ کو غیر مادی روح کے طور پر نہیں مانتا جیسا کہ بعض عیسائی فرقے عقیدہ رکھتے ہیں، وہ نہ مجسم ہے اور نہ بے شکل روح ہے اس کی ذات (شکل) اس کی کبریائی کے شایان شان ہے جس کا مثل نہ کسی انسان نے دیکھا نہ وہ اس کا تصور ہی کر سکتا ہے اس کا دیدار آخرت میں (اپنی محدود بینائی کے مطابق) اہل جنت کو نصیب ہوگا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ آدم اور عیسیٰ علیہما السلام میں روح پھونکنے کا ذکر کرتا ہے تو ان رسولوں کے اعزاز کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حضرت آدم کو نوع انسان پر جو فضیلت ہے اور حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ کی نسبت کے حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے متعلق بے یقینی کی کیفیت کو دور کرنا تھا۔ روح پھونکنے کے عمل کو اللہ سے نسبت بھی اس کی مرضی اور اعلیٰ ترین اختیار کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ روح پھونکنے اور انسانوں کے جسم سے رواح نکالنے کا کام فرشتے انجام دیتے ہیں۔ یہ بات اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے

جیسے حضرت ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ رحم مادر میں تمہاری تخلیق کا امتزاج چالیس دن ایک روغنی مادہ کی صورت میں، پھر اتنی ہی مدت تک ایک منجمد خون کی شکل میں، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح اتنی مدت تک رہتا ہے تب ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ (بخاری)

اس طرح اللہ تعالیٰ ہر انسان میں روح پھونکنے کا عمل کرواتا ہے۔ یہ کام فرشتے انجام دیتے ہیں اس نے ''پھونکا'' سے مراد لینا کہ اللہ نے پھونکا صحیح تعبیر نہیں ہے دراصل تخلیق کے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ علت اول (سبب اصلی) ہوتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۹٦)

اللہ نے تم کو پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔

غزوہ بدر شروع ہونے سے قبل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر مٹی دشمن کی طرف پھینکی جو سینکڑوں گز کی دوری پر صف آرا تھا اللہ کے حکم سے وہ مٹی دشمن کے سپاہیوں کی آنکھوں میں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (الانفال. ۱۷)

جب تم نے وہ مٹی (دھول) پھینکی تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

پس روح پھونکنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات سے نسبت دینا ان روحوں کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے جو انہیں دیگر تخلیق شدہ روحوں پر حاصل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح ہے اور اس میں سے اس نے حضرت آدم اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود میں پھونکی۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کا ذکر کرتا ہے جو حضرت مریم کے پاس اس کی روح کی بشارت دینے گیا تھا۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. (مریم: ۱۷)

پس ہم نے اس (مریم) کی جانب اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا جو ایک معقول انسان کی شکل میں تھا۔

قرآن عظیم ایک جامع صحیفہ ہے اس کی آیات اپنی تشریح خود کرتی ہیں اور مزید تعبیر وتفسیر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہوتی ہے۔ جب کسی آیت قرآنی کو اس کے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو اس کے معنوں میں تحریف کی جا سکتی ہے مثلاً: سورۃ الماعون کی ایک آیت: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ (برائی ہے ان نماز پڑھنے والوں پر)

بظاہر یہ آیت قرآن کی مجموعی تعلیم سے متصادم ہے کیونکہ نماز (صلوٰۃ) اسلام کا بنیادی ستون ہے اور قرآن عظیم میں اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ. (طٰهٰ: ١٤)

بیشک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کرو اور میرا ذکر کرنے کے لئے نماز ادا کرو۔ لیکن سورۃ الماعون کی آیت میں نمازیوں پر لعنت کی گئی ہے مگر اس کے بعد کی آیت سے اس کے صحیح مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ.

جو اپنی نمازوں میں غفلت کرتے ہیں اور ریاکاری کرتے ہیں اور دوسروں کی تھوڑی سی مدد کرنے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔

لہٰذا اللہ کی لعنت ان منافقین پر ہے جو (نماز) نمائش کرتے ہیں تمام نمازیوں پر نہیں ہے۔

اس آیت کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اس میں اپنی روح میں سے پھونکا کا بہتر ترجمہ یہ ہوگا کہ تب اس نے اسے (آدم) پیدا کیا اور پھر اپنی ارواح میں سے ایک کو داخل کیا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن عظیم میں کہیں بھی تصوف کے اس عقیدے کا ذکر نہیں ہے کہ غیر تخلیق شدہ روح اپنی اصل (ذات خداوندی) سے دوبارہ واصل ہونے کے لئے بے قرار رہتی ہے۔ اسلام میں انسان کے حوالے سے عربی لفظ روح (جمع ارواح) اور نفس (جمع انفس) میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جب یہ جسم سے ملحق ہوتی

ہے تو اسے عموماً نفس کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں اللہ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

یہ اللہ ہی ہے جو موت آنے پر انفس (ارواح) کو نکالتا ہے۔ اور جن کی موت کی گھڑی نہیں آتی تو نیند میں ان کی روح قبض کر لیتا ہے۔ (یعنی نیند بھی موت کی ایک شکل ہے) ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روح نکالی جاتی ہے تو آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ (مسلم)

صالح ارواح جنت میں داخل ہوں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح مطمئنہ سے فرمایا

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (الفجر: ۲۷-۳۰)

(اے نیک روح اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو بھی خوش اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی، میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا اور جنت میں داخل ہو جا)

پس ارواح صالحہ بالآخر اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا (فنا فی اللہ) نہیں ہوں گی، نہ اس سے واصل ہوں گی بلکہ ایک محدود روح ایک محدود جسم میں دوبارہ داخل ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا بہشت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتی رہے گی۔

☆☆☆

باب (۱۱)

قبر پرستی

انسانی تاریخ کے اکثر ادوار میں مردوں کی تجہیز و تکفین کی رسومات میں نمائش زیب و زینت آرائش پھر عرس اور دیگر تقاریب کا انعقاد ان کی پرستش کرنا، نذریں گزارنا، منتیں ماننا وغیرہ کی وجہ سے دین میں غلط فہمیاں اور تذبذب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے نسل آدم کا ایک بڑا حصہ قبر پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ چینی قوم جو دنیا کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے ان کے مذہب میں آباء پرستی عام ہے۔ ان کے اکثر مذہبی شعائر قبر پرستی اور اجداد کے مظاہر کی پرستش پر مبنی ہوتے ہیں۔[1]

ہندوؤں، بدھوں اور عیسائیوں میں سنتوں کی سمادھیاں اور قبریں زیارت گاہیں بن جاتی ہیں، وہاں میلے لگائے جاتے ہیں، دعائیں مانگی جاتی ہیں، نذریں چڑھائی جاتی ہیں اور یہ سب بڑے وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اسلام کی صحیح تعلیمات سے انحراف کر کے مشرکوں کی ان رسومات کو اختیار کر لیا۔ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مثلاً: علی ابن ابی طالب ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور مرشد و صوفیاء میں شیخ عبد القادر جیلانی، جنید بغدادی وغیرہ کے عظیم الشان مقبرے تعمیر کیے گئے۔ حالیہ برسوں میں سیاسی رہنماؤں مثلاً: محمد علی جناح بانی پاکستان اور سوڈان میں نام

۱- آباء پرستی (Pal Tsu) چینی مذاہب، روایات اور معاشرہ کا بڑا اہم اور مستقل عنصر ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق ارواح (The Hun) اور روح اصل (P.o) اپنی بقا اور مسرت کے لئے اپنی اولاد و اخلاف کی توجہ اور کرم کی محتاج ہوتی ہیں جو بخور (دھونی) ماکول و مشروبات وغیرہ کے ذریعہ انہیں راحت پہنچاتے ہیں۔ اس کے بدلے میں یہ ارواح اپنے مافوق البشر سے روابط کے ذریعہ اپنے اہل خاندان کو فائدے پہنچانے کی اہل ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کے سلسلے میں یہ روابط تین یا پانچ نسلوں تک برقرار رہتے ہیں۔ پھر ان کی جگہ نئے مردوں کی ارواح لے لیتی ہیں۔ (چین میں آباء پرستی کا مسلک، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن)

نہاد مہدی محمد احمد کے بھی ایسے ہی پرشکوہ مزارات تعمیر کئے گئے۔ بہت سے جاہل مسلمان حصول برکت کے لئے طویل مسافت طے کر کے ان مزاروں کی زیارت کو جاتے ہیں طواف کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔ ان مزاروں پر جانوروں کی قربانی کر کے ذبحی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ صاحبان مزار اللہ تعالیٰ سے اتنے قریب ہیں کہ ان کے مزار پر پرستش کی جو رسمیں ادا کی جائیں وہ اللہ کے نزدیک زیادہ مقبول ہوں گی۔ یعنی کیونکہ یہ لوگ اصحاب خیر و برکت تھے اس لئے ان کی قبروں پر جو رسومات ادا کی جائیں وہ بھی باعث خیر و برکت ہوں گی۔ ان کے مزارات اور وہ جگہ جس پر یہ قبریں بنی ہیں وہ بھی نزول برکات سے سرفراز ہوتی ہیں۔ یہ لوگ ان مزاروں کی مٹی (خاک شفا) بھی لے جاتے ہیں۔ ان کا فاسد عقیدہ یہ ہے کہ صاحب مزار کی برکت سے اس مٹی میں شفا کی تاثیر ہے۔ شیعہ فرقے کے بعض لوگ کربلا سے جہاں حضرت امام حسین شہید ہوئے تھے مٹی لاتے ہیں، اسے پکا کر اس کی ٹکیہ (قُرص) بناتے ہیں اور نماز میں اسی ٹکیہ پر سجدہ کرتے ہیں۔

مردوں سے دعائیں مانگنا:

جو لوگ قبر پرستی میں عقیدہ رکھتے ہیں وہ مردوں سے دو طرح سے دعائیں مانگتے ہیں۔ وہ انہیں اپنی دعاؤں میں وسیلہ بناتے ہیں جس طرح کیتھولک عیسائی اپنے پادری کے پاس جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور پادری ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ اس طرح وہ پادری انسان اور خدا کے درمیان وسیلہ بنتا ہے۔

دور جاہلیت میں عرب بھی اپنے بتوں کو وسیلہ بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرماتا ہے۔ وہ کہتے تھے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (الزمر:۳)

ہم ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تا کہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ بعض قبر پرست مسلمان ان مردوں سے دعائیں کرتے ہیں تا کہ وہ ان کی

حاجات اللہ تک پہنچا دیں اور ان کی دعائیں قبول ہو جائیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ نیک لوگ مرنے کے بعد بھی ان زندہ لوگوں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی لوگوں کی دعائیں اور التجائیں سنتے ہیں اور انہیں پورا کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ مردے ایسے بت بن جاتے ہیں جو زندوں کی حاجات پوری کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جو ان مردوں سے براہ راست بخشش کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ان اہل مزار سے اللہ تعالیٰ کی صفات التواب (توبہ قبول کرنے والا) اور الغفور (مغفرت کرنے والا) منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا ان مسلمانوں اور کیتھولک عیسائیوں کے عقائد میں بڑی مماثلت ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے مخصوص سینٹ (اولیاء) سے اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں مثلاً: اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ تھبس کے سنت انٹونی سے دعا کرتا ہے کہ گم شدہ شئے پانے میں اس کی مدد کریں۔ سنت جولے تھڈاکس کو امور ناممکنات کا سرپرست سنت مانا جاتا ہے اور لاعلاج بیماریوں مشکل شادیوں وغیرہ جیسے معاملات میں ان سے دعا کی جاتی ہے۔ جب کوئی سفر پر جاتا تھا تو سنت کرسٹوفر سے دعا کی جاتی تھی کہ وہ سفر میں اس کی حفاظت کرے۔ یہ سلسلہ ۱۹۶۹ء تک جاری رہا پھر پوپ نے سنت کی فہرست سے اس کا نام خارج کر دیا جبکہ انکشاف ہوا کہ وہ جعلی ولی تھا۔ (ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا) عام عیسائی بھی اسی زمرہ کے تحت آتے ہیں جو حضرت عیسیٰ مسیح کو خدائے مجسم یا اوتار مانتے ہیں۔ اکثر عیسائی خدا کے بجائے یسوع کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض جاہل مسلمان بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی انداز سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس قسم کے تمام عقائد اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہیں۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح برزخ میں رہتی ہے اور مرنے کے ساتھ ہی اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، وہ زندوں کے کسی کام نہیں آ سکتا، ہاں اس کے اعمال نیک و بد کی جزا و سزا اسے ملتی رہتی ہے اور اس کے

پسماندگان پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ مر جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں اس کا وہ عمل جس سے اس کے بعد بھی دوسروں کو فائدہ حاصل ہوتا رہے۔ اس کا علم جس سے دوسرے فائدہ اٹھاتے رہیں، وہ صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی وضاحت سے بتا دی کہ وہ اس زندگی میں کسی کے کام نہیں آ سکتے خواہ وہ ان سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا کہ وہ کہہ دیں:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَامَسَّنِىَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۸۸)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے ذات کے لئے بھی کسی نفع و نقصان پر قادر نہیں ہوں۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سی نیکیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا (لیکن) مجھے تو (اللہ نے) اہل ایمان کے لئے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ جب آیت: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (اپنے رشتہ داروں کو تنبیہ کرو) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علان کیا اے اہل قریش نیک اعمال کے ذریعہ اللہ سے مغفرت طلب کرو میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اے بنو عبد المطلب میں اللہ کے حضور تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اے میرے چچا عباس بن عبد المطلب اے میری پھوپھی صفیہ آخرت کی فکر کرو میں وہاں تمہارے کسی کام نہیں آ ؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ تجھے دنیا میں جو کچھ چاہیے مجھ سے مانگ لے لیکن اللہ کے ہاں صرف تیرے اعمال ہی کام آئیں گے۔ (مسلم)

ایک اور موقع پر ایک صحابی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم مجھے اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہرا رہے ہو، صرف یہ کہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (مسند احمد) اس واضح تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا مانگتے ہیں بلکہ صوفیائے مرشد بن کا ایک طویل سلسلہ ہے جن سے وہ مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ عقیدہ ان بدعات میں سے ہے کہ نظام کائنات کا تحفظ صوفیاء کی ایک جماعت کے ہاتھ میں ہے جو رجال الغیب کے نام سے معروف ہیں جب ان مقدس ہستیوں میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو فوراً دوسرا اس کی جگہ کو پر کرتا ہے۔ قطب یا غوث اس طائفہ میں سب سے اوپر ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی (وفات ۱۱۶۶عیسوی) کو عام طور پر غوث الاعظم کہا جاتا ہے اور مصیبت کے وقت بہت سے لوگ ان سے مدد کے لئے فریاد کرتے ہیں یا شیخ عبدالقادر اغثنی (اے شیخ عبدالقادر میری فریاد سنو) یہ کھلا ہوا شرک ہے جس کا ارتکاب ایسے لوگ بھی کرتے ہیں جو دن رات میں کم از کم سترہ مرتبہ اپنی نمازوں میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. (اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) کی تکرار کرتے ہیں۔

اس انداز سے دعائیں یا مرادیں مانگنا شرک اور گناہ ہے لیکن مسلم معاشرے میں دونوں طریقے سے (مردوں سے) دعائیں مانگنے کا چلن کسی نہ کسی شکل میں عام ہو گیا ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر قرآن عظیم کے اس قول کے مصداق بن جاتے ہیں: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (یوسف: ۱۰۶)

ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تنبیہ جسے حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اپنے سے پہلے لوگوں کی اس طرح پیروی کرو گے کہ ایک ایک انچ ان کے نقش قدم پر چلو گے یہاں تک کہ اگر وہ کسی بل میں گھسے ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہو گے، صحابہ نے عرض کیا پہلے لوگوں سے آپ کی مراد

یہودی اور عیسائی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اور کون'' (بخاری)

ثعبان سے بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ بت پرستی اختیار نہ کرلیں۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئیگی جب تک قبیلہ دوس کی عورتیں، خلاشہ بت کے گرد رقص نہ کرلیں۔ (بخاری)

لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہب اور اس کے تاریخی پس منظر وارتقاء کا اسلامی تناظر میں بغور مطالعہ کریں۔ اس طرح وہ اس قسم کی شرک و بدعات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور ان کے بارے میں احکام شریعت سے بھی صحیح طور پر واقف ہوسکیں گے۔

مذہب کا ارتقائی نمونہ:

ڈارون کے نظریہ ارتقا کے زیر اثر بہت سے ماہر علوم معاشرت اور علم الانسان یہ سوچتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد اولین دور کے انسانوں کے مظاہر قدرت کو معبود قرار دینے سے بڑی ڈیوڈ ہوم (۷۶-۱۷۱۱ء) نے تھامس ہولیس (۱۶۷۹-۱۵۸۸ء) کے اس نظریہ کی اشاعت اپنی کتاب نیچرل ہسٹری آف ریلیجن ۱۷۵۷ء میں کی۔ (ڈکشنری آف ریلیجن) قدیم دور کا انسان برق، رعد (بادل کی گرج) زلزلہ کے ہولناک اور تباہ کن اثرات سے بہت خائف تھا اور انہیں مافوق الفطرت طاقتیں سمجھتا تھا۔ لہٰذا اس نے ان طاقتوں کو خوش کرنے کے لئے وہی طریقے اپنائے جو وہ اپنے سرداروں یا زیادہ طاقت ور قبیلوں کو راضی رکھنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس طرح پرستش کی قدیم رسومات اور جانوروں کی قربانی وغیرہ کے طریقے رائج ہوئے۔ شمالی امریکہ کے انڈین جو دریاؤں، صحراؤں وغیرہ کی ارواح میں یقین رکھتے ہیں مذہب کے ارتقاء میں ان کی مثال پیش کی جاتی ہے اسے مظاہر پرستی (ANIMISM) کہا جاتا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اس ابتدائی عہد میں ہر فرد کا اپنا ایک معبود ہوتا تھا یا متعدد معبود

ہوتے تھے۔ جب خاندانوں میں وسعت ہوئی تو ان شخصی معبودوں کی جگہ خاندانی معبودوں نے لے لی۔ ہندوستان کے ہندوؤں میں متعدد معبودوں کی روایت کو اس سلسلے میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے جہاں ہر خاندان کا اپنا الگ دیوتا ہوتا ہے۔ معاشی ضروریات اور جہد حیات نے خاندانوں میں مزید وسعت پیدا کی اور قبائل وجود میں آئے، پھر خاندانی دیوتاؤں کی جگہ قبائلی دیوتاؤں نے لے لی۔ جیسے جیسے نسلیں بڑھتی گئیں قبائل بھی پھیلتے اور بڑھتے گئے اسی کے ساتھ ان کے معبودوں کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی یہاں تک کہ ثنویت (Di-Theism) کا عقیدہ رائج ہوا۔ اس کے تحت تمام مافوق الفطرت قوتیں دو مذکر معبودوں کے سپرد کر دی گئیں: ایک معبود نیکی کا مظہر اور دوسرا بدی کا ہوتا تھا۔ ماہرین ارتقاء کا کہنا ہے کہ اس کی مثال فارس (ایران) کے مذہب زرتشتی (آتش پرست) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فارس کے کے روحانی پیشوا زرتشت کے ظہور سے قبل اہل فارس فطرت کی طاقتوں اور ارواح میں عقیدہ رکھتے تھے اور قبائلی معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ ماہرین کی تحقیق کے مطابق زرتشت کے عہد میں دو معبودوں کا تصور ابھرا ایک آہورامزدا، ان کے عقیدے کے مطابق وہ دنیا کی تمام اچھی چیزوں کا خالق تھا۔ دوسرا انگرا امانیو جس سے تمام برائیاں وجود میں آئیں (ڈکشنری آف ریلیجن)

جب قبائل نے اقوام کی شکل اختیار کر لی تو اب قبائلی معبودوں کی جگہ قومی معبودوں نے لے لی اور ان ماہرین کے نظریہ کے مطابق ایک خدا (Monotheism) کا عقیدہ فروغ پذیر ہوا۔ عہد نامہ قدیم (تورات) کے مطابق اسرائیل کا خدا ان کا قومی معبود ہے جو ان کی طرف سے ان کے دشمنوں سے لڑتا ہے اور بنی اسرائیل کو خدا کی پسندیدہ اولاد قرار دیا گیا ہے۔ چودھویں صدی قبل مسیح میں مصر کا بادشاہ آمن ہوتف چہارم کو بھی یہ ماہرین مذہب کے ارتقاء کی یک مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس دور میں مصر میں متعدد دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی لیکن اس بادشاہ نے صرف ایک معبود ''رع'' کی پرستش کو رائج کیا اور اسے سورج (شمس) کی ہیئت میں پیش کیا۔ (ڈکشنری آف ریلیجن)

اس طرح ان ماہرین سماجیات اور ماہرین علم الانسان کے نظریات کے مطابق مذہب کی کوئی ساوی بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا مذہب دور قدیم کے انسان کی ذہنی اختراع ہے جو اوہام پرستی میں مبتلا تھا مافوق الفطرت قوتوں سے ڈرتا تھا کیونکہ اسے سائنسی معلومات نہیں تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سائنس ایک دن فطرت کے تمام اسرار فاش کر دے گی اور پھر مذہب کا وجود ختم ہو جائے گا۔

مذہب کا فاسد نمونہ:

مذہب اور اس کے ارتقاء کے بارے میں اسلام کا تصور مندرجہ بالا نظریات سے قطعی مختلف ہے۔ یہ ارتقاء کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ فساد (Degeneration) اور اصلاح (Regeneration) کا عمل ہے۔ انسان نے اپنا سفر عقیدہ توحید سے شروع کیا پھر فساد عقیدہ کا شکار ہو کر شرک کی مختلف راہوں میں بھٹک گیا۔ کبھی اس نے ثنویت (دو معبود) کا عقیدہ اپنایا، کبھی تثلیث کو مانا اور کبھی ہر شئے میں خدا کو دیکھا۔ (Pantheism) اللہ تعالیٰ نے ان گمراہ اقوام و افراد کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث کیے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان رسولوں کی تعلیمات میں تحریف کر دی گئی یا انہیں بھلا دیا گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابتدائی عہد کے وہ تمام قبائل جن کی شناخت کی گئی ہے ان کے وہاں ایک سب سے برتر ذات کا تصور موجود تھا۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق ان کے مذاہب کس مرحلہ پر رہے ہوں گے اس سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں سے بھی اوپر ایک سب سے عظیم ذات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ وسطی امریکہ کے مایان کا خالق دیوتا اتزامنا تھا سرے لیون کے خالق کائنات جیوو (Ngewo) تھا۔ ہندو دھرم کا برہما (ذات مطلق) قدیم بابل کے دیوتا مردوک (Murduk) جو سب دیوتاؤں میں سے بڑا دیوتا ہے۔ ان سب میں ایک سب سے بالاتر ذات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (ہسٹری آف ریلیجن) دین زرتشتی میں جہاں دو معبود مانے جاتے ہیں ان میں بھی آہورامزدا

جو نیکی کا خدا ہے وہ بدی کے خدا انگرا مانیو سے بالا تر ہے۔اور حشر کے ان آ ہورمزوا انگرا مانیو کو شکست دے گا۔

ارتقائی نظریہ بتاتا ہے کہ ایک خدا کا تصور محدود تعداد کے دیوتاؤں کے تصور کے بعد ابھرا اور مظاہر پرستی کے ساتھ برقرار نہیں رہ سکتا تھا حالانکہ اصل صورت حال یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہر مذہب اور عقیدہ میں ایک سب سے بلند و بالاتر ذات کا تصور موجود تھا۔اس سے ظاہر ہے کہ انسان توحید کے عقیدے سے بھٹک گیا جو پیغمبروں کی تعلیم تھی اس نے دیگر معبود تراش لئے اور اللہ کی بعض صفات ان سے منسوب کر دیں ان میں سے کچھ چھوٹے دیوتا تھے اور کچھ بڑے جن سے شفاعت کی توقع کی جاتی تھی۔

اس فساد عقیدے کی دلیل کی سچائی کا ایک ثبوت یہودیت ہے جو توحید کے عقیدے کا حامل دین ہے۔عیسائی مذہب کے تثلیث میں تبدیل ہونے کا تاریخی واقعہ ہے۔ حضرت یسوع مسیحؑ نے توحید کی تعلیم دی لیکن پہلے اسے ثنویت میں بدل دیا گیا۔یعنی یسوع خدا نہیں ہے بلکہ خدا کا بیٹا ہے۔یونانیوں نے اپنے عقیدہ میں یسوع مسیح کو Logos (تثلیث کا ایک اقنوم اور کلام) کے طور پر پیش کیا اسے انکسے غورس اور افلاطون کے فلسفے میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

پھر اہل رومانے اسے مزید فاسد کر کے تثلیث میں بدل دیا اور سرکاری طور پر تثلیث کو تسلیم کر لیا گیا۔[1] پھر اس عقیدے میں مزید فساد پیدا ہوا۔کیتھولک عیسائیت یا کلیسا نے حضرت مریم اور دیگر بہت سے نام نہاد سنٹ (اولیاء) کو شفاعت اور حفاظت و نگہداشت کے اختیارات عطا کر دئے۔اسی طرح اگر ہم اسلام کو دیکھیں کہ جو پیغام (توحید خالص) اللہ کے آخری رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے تھے آج مسلمان اس عقیدے سے بھٹک گئے ہیں۔عقیدے اور اعمال دونوں میں فساد پیدا ہوا۔دین

۱- ان فلاسفروں کے نزدیک نوس (Nous) کائنات کا ایک غیر مادی محرک اصول تھا جبکہ کلام Logos اس کا مادی مظہر تھا کا مادی مظہر تھا۔(ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن)

کو مختلف مسالک میں تقسیم کر دیا تو حید خالص کے عقیدے کو فراموش کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ دیگر مرشدین اور صوفیا کو بھی صفات الٰہیہ کا حامل قرار دیدیا گیا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق سطح زمین پر زندگی ایک واحد خلیے ایموبا (Amoeba) کے مرکب سے وجود میں آئی۔ پھر جہد البقا کے جذبہ کے تحت سادہ زندگی کے نقشہ نے ایک سخت اور انتہائی پیچیدہ شکل اختیار کر لی۔ اس ارتقائی نظریہ کی بنیاد پر مذہب کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ مذہب پہلے اپنی سیدھی اور سادہ تعلیم یعنی توحید سے شروع ہوا پھر وقت گزرنے کے ساتھ اس نے بت پرستی کی سخت اور انتہائی پیچیدہ شکل اختیار کر لی اور اس کی سچی اور اصلی تعلیم گم ہو گئی۔ ثنویت، تثلیث کثرت معبودان (Polytheism) اور وحدت الوجود (Pantheism) کے عقائد و نظریات نے مختلف مقامات پر وہاں کے معاشی و معاشرتی حالات کے مطابق فروغ پایا۔

شرک کا آغاز:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ کس طرح توحید کے بعد جس کی تعلیم اللہ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام نے دی بنی نوع انسان نے منہ موڑ کر شرک اختیار کر لیا۔ صحابہ کرام نے سورہ نوح کی آیت ۲۳ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اس صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا: وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح: ۲۳)

(انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ ود، سواع، یعوق ونسر (یہ سب تمہارے معبود ہیں) انہیں ہرگز نہ چھوڑنا۔

۲- تثلیث کا یہ نظریہ اور قسطنطنیہ کی رومن کونسل نے اسے ۳۸۱ء میں منظور کر لیا۔ یعنی خدا ذات واحد ہے لیکن خارجی طور پر وہ تین ذاتوں میں منقسم ہے۔ (۱) باپ (۲) بیٹا (۳) روح القدس۔ (ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن)

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب قوم نوح کے بت تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ عرب میں بھی رواج پا گئے وددومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا دیوتا (بت) بن گیا۔ سواع کو قبیلہ ہذیل نے اپنا معبود بنالیا۔ یغوث قبیلہ غطیف کا دیوتا بن گیا، یہ قبیلہ صنعاء کے نزدیک جرف کے مقام پر آباد تھا۔ نسر ذوانقلاع کا خدا مان لیا گیا جو قبیلہ حمیر سے متعلق تھا۔ (لسان العرب: از محمد ابن ممدوح)

ان بتوں کے نام قوم نوح کے بعض صالح افراد کے نام پر رکھے گئے تھے۔ جب یہ نیکوکار لوگ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے لوگوں کو بہکایا کہ ان بزرگوں کے نام پر بت بنائیں۔ یہ مجسمے ان کی چوپایوں اور دیگر اجتماعات کے مقامات پر نصب کیے گئے تاکہ ان کی پارسائی کی یاد باقی رہے۔ اس وقت کوئی ان کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ بہرکیفیت جب کئی نسلیں گزر گئیں تو نئی نسلوں کے لوگوں نے ان مجسموں سے وابستہ پارسائی کی داستانوں کو بھلا دیا۔ شیطان نے انہیں ورغلایا کہ ان کے اجداد ان مورتوں کی پوجا کرتے تھے کیونکہ ان ہی کے فیض سے بارش ہوتی تھی۔ نئی نسل نے ان بتوں کی پوجا شروع کردی۔ (الطبری) اس کے بعد یہ پرستش نسل درنسل ہوتی رہی۔

آیت مذکور کی اس تفسیر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح عقیدہ توحید کو شرک میں بدلا گیا۔ ہمارے اسلاف عقیدہ توحید پر عامل تھے لیکن ان کے بعد کی نسلوں نے شرک اور بت پرستی اختیار کرلی۔ اس توضیح سے فساد عقیدہ کی توثیق ہوتی ہے اور اس تاریخی حقیقت کی بھی کہ ہمارے اسلاف توحید پرست تھے۔ اس سے اس بات کی صراحت بھی ہوتی ہے کہ اسلام میں مجسمے اور تصویریں بنانے کی کیوں اتنی شدت سے ممانعت کی گئی ہے (کیونکہ مجسمے اور تصویریں بالآخر شرک اور پرستش کی راہ ہموار کرتے ہیں) مجسمے بنانے کی ممانعت ان احکام عشرہ میں بھی کی گئی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے جو تورات میں درج ہیں۔ ''تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہیں بنائے گا یا اس کے مثل کوئی ایسی شکل نہیں بنائے گا جو آسمانوں میں ہے زمین پر ہے یا پانی میں

ہے یا زمین کے نیچے ہے۔ (خروج ۴-۲۱) ابتدائی دور کے عیسائی اس پر عمل کرتے تھے لیکن جب روم و یونان کے اساطیری خیالات دین مسیح میں داخل ہو گئے تو حضرت مسیح کی اصل تعلیم پر تحریف غالب آ گئی۔ اس کے بعد مجسمے اور مورتیاں بنانے کا جنون طاری ہوا۔ شہیدوں سنتوں ولیوں مسیح و مریم یہاں تک کہ خدا کے مجسمے بھی تیار کر لئے گئے۔ ۱

اس کے برعکس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو تصویریں بناتے ہیں یا اپنے گھروں میں آویزاں کرتے ہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر آخرت میں سخت عتاب کرے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے طاق میں ریشمی پردہ لگا رکھا تھا جس پر ایک گھوڑے کی تصویر تھی جس کے پرندوں جیسے پر تھے اس تصویر کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا آپ نے فرمایا یا عائشہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سب سے زیادہ عذاب دے گا جو اس کی تخلیق کے مثل تصویریں بناتے ہیں انہیں عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جو تم نے بنائی ہیں جان ڈالو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: جس گھر میں تصویر اور مورتیاں ہوتی ہیں فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر ہم نے اس پردہ کو چاک کر ڈالا اور اس کے ٹکڑوں سے تکیے بنا لئے۔ (بخاری)

نیک لوگوں کی حد سے زیادہ تعریف کرنا:

حضرت نوح کی قوم کے بیان میں جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ صلحا اور نیکوکار لوگوں کی تعریف میں مبالغہ اور عقیدت میں حد سے گزر جانا ہی بت پرستی کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ عصر حاضر میں بدھ مت اور مسیحیت میں گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ مسیح کے بتوں کی پرستش اس کا واضح ثبوت ہے کہ عقیدت اور محبت میں غلو انسان کو شرک

۱۔ ۷۸۷ء میں منعقد کی دوسری کونسل نے ان بتوں (ICons) کی تکریم کی باضابطہ طور پر منظوری دی کہ وہ تجسیم میں دین (مسیحی) کی علامت ہیں۔ ان کی رائے میں Logos (کلام) مسیح کے پیکر میں انسانی شکل میں مجسم ہوا۔ لہٰذا اس شکل میں اس کی تصویر اور مجسمے بنائے جا سکتے ہیں۔ (ڈکشنری آف ریلیجن)

کے راستے پر لے جاتا ہے۔ عقیدت میں غلو کرنے سے جو خطرات پیدا ہوتے ہیں ان کے پیش نظر، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف میں حد سے نہ گزریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائی مسیح ابن مریم کی شان میں کرتے ہیں۔ میں اللہ کا بندہ ہوں پس یہ کہو کہ عبداللہ و رسول اللہ۔ (بخاری) اس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ ان مقامات پر جہاں ان کے خیال میں ان کے سنتوں اور ولیوں کی قبریں تھیں شاندار عمارتیں تعمیر کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر بھی لعنت فرمائی جو مستقبل میں ایسے کام کریں (قبروں پر عمارتیں بنائیں) اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ اسلام اس قسم کی بت پرستانہ رسوم کی کسی حال میں اجازت نہیں دی اور ایسا کرنے والوں کے لئے آخرت میں عذاب الیم ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے صالح اور نیکوکار افراد کی تعریف و عقیدت میں مبالغہ سے بچنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ نے [1] حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کلیسا (چرچ) کے بارے میں بتایا جو انہوں نے حبشہ میں ہجرت کے دوران دیکھا تھا اس کی دیواروں پر تصویریں کندہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب ان کا کوئی پارسا شخص مرتا ہے تو وہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کی تصویریں کندہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ لوگ سب سے برے ہیں۔ (بخاری)

۱- حضرت ام سلمیٰؓ کا نام ہند بنت ابی امیہ تھا اور وہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں وہ اور ان کے شوہر ابو سلمیٰ قریش مکہ کی ستم رانیوں سے بچنے کے لئے حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے بعد کو جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت کی تو یہ دونوں بھی مدینہ چلے آئے۔ جب ہجرت کے چوتھے سال میں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔ حضرت ام سلمیٰ اپنے دور کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ دین کی تعلیم میں منہمک رہیں۔ آپ کی وفات ۶۹۴ عیسوی (۶۲ ہجری) میں ہوئی۔ (ابن الجوزی صفت الصفوہ)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ام المومنین ام سلمیٰؓ نے چرچ کا واقعہ اس وقت سنایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ یہ بدترین لوگ ہیں ظاہر کرتا ہے کہ کسی مسلمان کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ ان جیسے کام کرے، اس میں کسی کے لئے کوئی تخصیص یا رعایت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں پر لعنت اس لئے کی گئی کہ ایک تو انہوں نے قبروں کی تعظیم کی راہ اپنائی۔ دوسرے یہ کہ بت پرستی کو اپنایا اور یہ دونوں باتیں ہر پہلو سے ناجائز اور حرام ہیں کیونکہ یہ بالآخر شرک کے راستے پر لے جاتی ہیں جیسا کہ حضرت نوح کی قوم کے واقعات سے ظاہر ہے۔

زیارت قبور کی شرائط:

یہ حقیقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن باتوں کی ممانعت فرمائی اس میں قبر پرستی بھی شامل ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم امت کے لئے کیسے امتحان اور آزمائش کی راہ بن جائیگی۔ دین اسلام کے تشکیلی ایام میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قبروں پر جانے کی بھی ممانعت فرمائی تھی اور یہ ممانعت اس وقت تک جاری رہی جب تک عقیدہ توحید نے ان کے دلوں میں پوری طرح جڑ نہیں پکڑ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں کیونکہ ان کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ (مسلم) لیکن اس اجازت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کے ساتھ کچھ قیود بھی مقرر فرما دیں تاکہ قبروں کی زیارت انجام کار قبروں کی پرستش میں نہ بدل جائے۔

قبروں کی پرستش پر روک لگانے کی غرض سے قبرستان میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کردی گئی خواہ اس کی نیت یا نوعیت کچھ بھی ہو۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام زمین سجدہ گاہ ہے ماسوائے قبرستان

اور بیت الخلاء کے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں نمازیں پڑھو انہیں قبرستان مت بناؤ۔ (بخاری) نفل نماز گھروں میں پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ گھر کے دیگر افراد کو ترغیب ہو، اگر گھر میں کوئی نماز ادا نہ کی جائے تو یہ قبرستان کی مانند ہو جائے گا جہاں نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے۔ اگرچہ قبرستان میں نماز ادا کرنا فی نفسہ شرک نہیں ہے لیکن اندیشہ یہ تھا کہ جاہل لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ہم یہاں جو نماز ادا کر رہے ہیں وہ مردوں کی مغفرت کے لئے نہیں بلکہ ان سے استمداد کے لئے ہے۔ اس طرح اس ممانعت سے شرک کی راہ مسدود کر دی گئی۔ ایک دفعہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ نے صحابی حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس نماز ادا کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے پکار کر کہا قبر ہے، قبر ہے۔ (بخاری) ۱

۲- دوسری پابندی یہ عائد کی گئی کہ قبروں کی طرف رخ کر کے نماز کی ممانعت کی گئی تاکہ بعد کو جاہل عوام یہ نہ سمجھنے لگیں کہ وہ مردوں کے لئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابو مرثد الغنوی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم نے فرمایا قبروں کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو ان پر نہ بیٹھو۔ (مسلم) ۲

۱- اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں نماز پڑھنے کی اس لئے ممانعت نہیں فرمائی ہے کہ وہ جگہ نجس سمجھی جاتی ہے۔ انبیاء کی قبریں پاک ہوتی ہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اس کے رسولوں کی میتوں کو کھائے۔ لہٰذا آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا دیا تو اس سے مراد یہ تھی کہ وہ شرک کے مرتکب ہوتے تھے یہ نہیں کہ وہ جگہ نجس تھی۔

۲- اس سے ثابت ہوا کہ قبروں کی طرف رخ کر کے دعا مانگنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دعا عبادت ہے۔ (بخاری) لہٰذا نماز کی طرح دعا بھی قبلہ رخ ہو کر کرنی چاہئے۔ (نوٹ) یہ واضح رہے کہ اسلام میں نماز جنازہ قبرستان میں ادا نہیں کی جاتی بلکہ مسجد سے متصل ایک وسیع جگہ اس کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ چونکہ نماز جنازہ میں میت امام کے بالکل سامنے ہوتی ہے اس لئے اس میں رکوع و سجدہ نہیں ہوتا تاکہ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نماز مردہ کی مغفرت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تعظیم کے لئے ادا کی جا رہی ہے۔

۳۔ اسی طرح قبروں پر قرآن عظیم کی تلاوت کی بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے یہ ثابت نہیں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ نے حضور اکرم سے پوچھا کہ قبر کی زیارت کے وقت کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا سلام کرو اور دعا کی تلقین فرمائی، یہ نہیں فرمایا کہ سورہ فاتحہ یا قرآن عظیم کی کسی اور سورہ کی تلاوت کرو۔ (احکام الجنائز علامہ ناصر الدین البانیؒ) ۱

حضرت ابو ہریرہ سے بھی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ بیشک جس گھر میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ (مسلم) ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گھر کو قبرستان کی طرح نہ بنایا جائے جہاں قرآن عظیم کی تلاوت کی اجازت نہیں ہے (جہاں تک سورہ یٰسین کی تلاوت کا سوال ہے قبرستان کے تعلق سے اس کا کہیں ذکر نہیں ہے) عالم نزع میں سورہ یٰسین کی تلاوت کی بابت روایت بھی ضعیف ہے۔ (احکام الجنائز)

۴۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبروں پر سفیدی کی جائے (مسلم) یا ان پر لکھا جائے (ابوداؤد) ان پر عمارت تعمیر کی جائے یا زمین کی سطح سے بلند کیا جائے۔ (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ایسے ڈھانچے گرا دئے جائیں اور قبریں زمین کے برابر کر دی جائیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اگر وہ کہیں بت دیکھیں تو اسے توڑ دیں اور اگر قبر سطح زمین سے ایک بالشت سے زیادہ بلند ہو تو اسے سطح کے برابر کر دیں۔ ۲

۱۔ دعا کی عبارت یہ ہے: السلام علیٰ اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ المتقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ اس دیار قبرستان کے مومنوں اور مسلمانوں پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ رحمت کرے ان پر جو ہم سے پہلے چلے گئے اور جو ہمارے بعد جانے والے ہیں اور ہم بھی انشاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ (صحیح مسلم)

۲۔ اس حدیث کی عبارت یہ ہے کہ ابوالحیاج الاسعدی سے روایت ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵-قبروں پر مسجد بنانے کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ نے چادر چہرہ انور سے ہٹائی اور فرمایا اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ (بخاری)

۶-قبروں کی پرستش کا سدباب کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر سالانہ اجتماع (عرس) یا ایسی کسی تقریب کی ممانعت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قبر پر بھی لوگوں کے اجتماع کی ممانعت فرمائی۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری قبر کو عید (عرس) مت بنانا۔ نہ اپنے گھروں کو قبرستان بنانا اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجتے رہنا کیونکہ یہ مجھ تک پہنچتا ہے۔ (ابوداؤد)

۷-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لئے سفر کی ممانعت بھی فرمائی۔ دیگر مذاہب میں یہ رسم بت پرستوں کی زیارت گاہوں سے نسبت رکھتی ہے۔ ابو ہریرہ اور

حضرت علی ابن ابی طالب نے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں اس کام کے لئے نہ بھیجوں جس کے لئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ گھروں میں جو تصویر یا مورتی ہو اسے مسخ کر دو اور جو قبریں اونچی بنی ہیں انہیں زمین کے برابر کر دو۔

(نوٹ) اکثر مسلمان ملکوں میں اس حدیث کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ قبرستان میں ہر قسم کے ڈھانچے کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سب دوسری قوموں کی تقلید میں کیا جاتا ہے کچھ ممالک مثلاً مصر میں قبرستان میں ایسی وسیع سڑکیں بنائی جاتی ہیں کہ وہ شہر کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ قبروں پر ایسے پرشکوہ مقبرے بنائے جاتے ہیں کہ بعض مقامات پر غریب لوگوں نے ان میں گھس کر انہیں اپنا مسکن بنالیا ہے۔ اس حدیث اور اسی موضوع پر دیگر احادیث کی بنیاد پر ایسے مقبروں کو مسمار کر دیا جانا چاہئے۔ ہندوستان میں تاج محل، پاکستان (کراچی) میں بانی مملکت محمد علی جناح کا مزار، سوڈان میں مہدی سوڈانی کا مزار، مصر میں السید البداوی کا مزار۔ وغیرہ۔ اسی طرح ان مزارات و مقابر کے سجادہ نشینوں کی گدیاں بھی ختم کی جائیں جو بھاری نذرانے زائروں سے وصول کرتے ہیں، یہ زائر اس عقیدے کے تحت بیش قیمت نذریں چڑھاتے ہیں کہ صاحب مزار کی خوشنودی حاصل ہو گی اور ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین مسجدوں کی زیارت کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا سفر اختیار نہ کرو (۱) مسجد حرام (خانہ کعبہ) (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد الاقصیٰ (بخاری)۔ ابوبصرہ الغفاری جب ایک سفر سے واپس آئے تو حضرت ابوہریرہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو کہا کہ الطّور سے آرہا ہوں جہاں میں نے نماز پڑھی۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا تو تمہیں وہاں جانے سے روک دیتا کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ دوسری جگہ کا سفر نہ کرو۔ (احمد)

قبروں کو عبادت گاہ سمجھنا:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق میں بدترین وہ لوگ ہیں جو اس وقت زندہ ہوں گے جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور وہ لوگ جو قبروں کو عبادت گاہ بناتے ہیں۔ (احمد)

حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وفات سے پانچ دن قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی قوموں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا۔ تم کبھی قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا بیشک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم) سابقہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ اس کی وضاحت کی جائے کہ قبروں کو مسجد بنانے سے کیا مراد ہے۔ عربی کے اس جملے سے تین مفہوم اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ کسی قبر پر اس کی طرف رخ کرکے یا اس کے قریب نماز پڑھنا۔ (رکوع وسجود کرنا) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی قبروں کو مسجد بنانے کی واضح ممانعت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر یا قبر کی طرف رخ کرکے نماز مت پڑھو۔ (الطبرانی) اسی طرح حضرت ابومرثد کی روایت

سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

۲۔کسی قبر پر مسجد بنانا یا مسجد میں قبر بنانا۔قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت حضرت ام سلمٰی کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو لوگ قبروں پر مسجد بناتے ہیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔حضرت عائشہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ارشاد کی جو تشریح کی ہے اس کی رو سے مسجد میں قبریں بنانا بھی ممنوع ہے۔اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جو انبیا کی قبروں کو مسجد بنا لیتے ہیں۔(بخاری) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی میں دفن کرنے کی تجویز پیش ہوئی تو اسی حدیث کی بناء پر ام المومنین عائشہ نے اس کی مخالفت کی تھی۔

۳۔قبروں پر بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا۔قبروں پر بنی ہوئی مساجد میں میں نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ حدیث میں قبر پر مسجد بنانے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ایک راہ کو مسدود کرنے کا مطلب اس راہ کے دوسرے سرے پر جو کچھ ہے اس کا سدباب بھی ہوتا ہے۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا اور تاروں (Strigs) کی مدد سے بجائے جانے والے آلات موسیقی (معازف) کی ممانعت فرمائی ہے۔حضرت ابو مالک الاشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، حرام کاری اور (مردوں کے لئے) ریشم کے کپڑے پہننا منشیات کا استعمال اور آلات موسیقی (معازف) کو حلال قرار دیں گے۔(بخاری) ان آلات موسیقی کو بجانا اور انہیں سننا دونوں ہی ممنوع ہیں۔سننا اس لئے کہ ان آلات کا مقصد ہی دوسروں کو سنانا اور راغب کرنا ہوتا ہے۔اسی طرح قبروں پر یا کسی اور جگہ مساجد بنانے کی بات ہے۔مساجد یا عمارات کی تعمیر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے اس کے پیچھے وہ عقیدہ ہے جو ایسی مساجد کی تعمیر میں مضمر ہے یعنی شرک کا ارتکاب جو قبروں پر مساجد کی تعمیر کا محرک ہوتا ہے۔لہٰذا قبروں پر مساجد کی تعمیر کی ممانعت کے ساتھ

ہی ان مساجد میں نماز ادا کرنا بھی ممنوع اور ناجائز قرار پایا۔

قبروں کے ساتھ مساجد:

یہ مساجد دو قسم کی ہوتی ہیں: (۱) وہ مسجد جو قبر پر بنائی جائے۔ (۲) ایسی مسجد جس میں قبر بنادی گئی ہے۔ بعض اوقات مسجد کی تعمیر کے بعد وہاں قبر بنادی جاتی ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں اقسام کی مساجد میں نماز ادا کرنے کی ممانعت میں کوئی فرق نہیں ہے، یہاں نماز ادا کرنا بہر حال مکروہ ہے اگر قبر کا لحاظ نہ کیا جائے تب بھی۔ اور اگر قبر کو پیش نظر رکھ کر نماز ادا کی جائے تو ایسی نماز حرام ہے۔ بہر کیف ان مساجد کی اصلاح کا کام ان کی تعمیر کے مقاصد کے تحت مختلف ہوسکتا ہے۔

۱- اگر قبر پر مسجد بنائی گئی ہے تو اسے مسمار کر دیا جائے اور قبر کو سطح زمین کے برابر کر دیا جائے کیونکہ یہ دراصل مسجد نہیں بلکہ قبر ہے۔ لہٰذا اسے زمین کے برابر کر دیا جانا چاہئے۔

۲- اگر مسجد پہلے بنائی گئی اور پھر اس میں قبر بنادی گئی تو مسجد اپنی جگہ برقرار رہے گی لیکن قبر کو وہاں سے ہٹا دیا جائے کیونکہ یہ مسجد بنیادی طور پر مسجد تھی اس میں قبر بعد کو بنائی گئی۔ لہٰذا مسجد کو اس کی اصلی شکل میں لوٹا دیا جائے گا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت:

مسجد نبوی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لیکن اسے دیگر مساجد میں قبریں بنانے یا قبروں پر مسجدیں بنانے کے جواز میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی تھی کہ انہیں مسجد کے احاطہ میں دفن کیا جائے، نہ صحابہ کرام نے مسجد میں قبر بنائی۔ دراصل یہ ان کا دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میت کو مقامی قبرستان میں دفن نہیں کیا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ بعد کی نسلیں اس قبر سے بہت زیادہ جذباتی وابستگی کا اظہار کریں گی۔ عمر جو غفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کا بیان ہے کہ جب صحابہ کرام حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بارے میں فیصلہ کرنے بیٹھے تو ایک نے تجویز پیش کی کہ انہیں وہیں دفن کیا جائے جہاں وہ نماز ادا کرتے تھے، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ ہمیں اس بات سے بچائے کہ ہم انہیں ایک بت بنا کر ان کی پرستش کریں۔ ایک اور صحابی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو البقیع میں دفن کیا جائے جہاں ان کے دیگر مہاجرین بھائی مدفون ہیں۔ اس پر حضرت بو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر ہم انہیں البقیع میں دفن کریں گے تو بعض لوگ ان سے مرادیں مانگنے لگیں گے حالانکہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اس سے ہی مدد اور مراد مانگی جائے۔ اگر ہم انہیں وہاں دفن کریں گے تو اللہ کے حقوق پامال ہوں گے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا آخر آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہا میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی رسول کی روح قبض نہیں کی مگر یہ کہ وہ جہاں فوت ہوا تھا اسے اسی جگہ دفن کیا گیا۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا واللہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بہت مناسب ہے۔ اس کے بعد سب لوگ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میت کے گرد جمع ہوئے اور اس جگہ جہاں آپ کا جسم اطہر رکھا ہوا تھا قبر کھودی، علی، عباس، فضل اور خاندان رسالت کے دیگر افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت تدفین کے لئے تیار کی۔ (البانی۔ تحذیر الساجد)

مسجد نبوی اور حضرت عائشہ کے حجرے کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی گئی تھی اس میں ایک دروازہ تھا اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ صحابۂ کرام نے اس دروازے کو بھی بند کر دیا تاکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد نبوی سے بالکل الگ ہو جائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر تک جانے کے لئے صرف ایک راستہ باقی رہ گیا تھا جو مسجد کے باہر سے تھا۔

خلفائے راشدین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان۔ کے عہد خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع عمل میں آئی۔ لیکن ان دونوں خلفائے راشدین نے اس کی احتیاط کی کہ

حضرت عائشہ یا دیگر امہات المومنین کے حجروں کو مسجد میں شامل نہ کیا جائے۔ اگر حجروں کو مسجد میں شامل کیا جاتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضریح مبارک بھی مسجد میں شامل ہو جاتی۔ لیکن جب مدینہ میں تمام صحابہ وفات پا گئے [1] تو خلیفہ ولید بن عبد الملک اموی (دور خلافت ۷۱۵-۷۰۵ء) نے مسجد نبوی کی توسیع مشرقی پہلو کی جانب کی۔ اس نے حضرت عائشہ کے حجرے کو مسجد میں شامل کر دیا جبکہ دیگر امہات المومنین کے حجروں کو مسمار کرا دیا۔ یہ توسیع اموی گورنر عمر بن عبد العزیز کی نگرانی میں کی گئی۔ جب حضرت عائشہ کے حجرے کو مسجد کے احاطے میں شامل کیا گیا تو اس کے گرد ایک مدوّر (گول) دیوار اٹھا دی گئی تا کہ مسجد کے اندر سے یہ قطعی دکھائی نہ دے۔ بعد کو حجرے کے شمالی گوشے سے دو اور دیواریں اٹھائی گئیں جو آپس میں اس طرح ملتی تھیں کہ ایک مثلث بن جاتا تھا یہ اس لئے کیا گیا تا کہ کوئی شخص براہ راست قبر نبوی کی جانب رخ نہ کرے [2]۔ کئی سال بعد مسجد میں سبز گنبد بنایا گیا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے بالکل اوپر تعمیر کیا گیا۔ [3]

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا:

ایسی تمام مساجد جن میں قبریں بنا دی گئی ہیں وہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے ماسوائے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (نبوی) کے۔ ایسا اس لئے ہے کہ کسی دوسری مسجد (جس میں قبر ہو) کے بارے میں ایسی کوئی روایت یا حدیث نہیں ہے کہ وہاں نماز ادا کرنا اس درجہ فضیلت کا باعث ہے۔ [1] حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۱- سب کے آخر میں صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات خلیفہ عبد الملک کے دور (خلافت ۷۰۵-۶۸۵ء) میں ۶۹۹ء میں ہوئی۔

۲- تیسیر العزیز الحمید

۳- سلطان قلاؤں الصلاحی نے یہ گنبد (پہلی بار) ۱۲۸۲ء میں تعمیر کرایا۔ ۱۸۳۷ء میں عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید کے حکم سے اس پر سبز رنگ کیا گیا۔ (دیکھئے علی حافظ کی کتاب تاریخ مدینہ کی جھلکیاں)

تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری کے لئے سفر نہ کرو۔(۱) مسجد الحرام (خانہ کعبہ) (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (یروشلم) (بخاری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان ایک جگہ جنت کے باغات کا ایک حصہ ہے۔(بخاری) اگر مسجد نبوی میں نماز کو مکروہ قرار دیا جائے تو اس سے مسجد سے وابستہ ان تمام فضیلتوں کا انکار بھی لازم آئے گا جو مستند احادیث میں وارد ہیں۔ جس طرح دن کے چند مخصوص اوقات میں نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے لیکن اگر مخصوص نوعیت کا معاملہ ہو مثلاً نماز جنازہ) اس کے لئے اجازت ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی کی استثنائی حیثیت کے سبب وہاں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ (تحذیر الساجدین۔ البانی) اور اگر خدانخواستہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) یا مسجد اقصیٰ میں بھی قبریں ہوتیں تب بھی ان مساجد میں نماز پڑھنا افضل ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام بہت بلند ہے۔[۱]

اختتام:

وہ معیاری عقیدہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہے اس کی بنیاد توحید خالص پر ہونی چاہیئے جیسا کہ اس کتاب کے اوراق میں وضاحت کی گئی ہے اس سے کم جو کچھ بھی ہے وہ یا تو بت پرستی ہے یا کفر ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایسے لوگ اپنے عقیدے کے بارے میں (جو شرک سے آلودہ ہے) کتنے راسخ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنے فاسد عقائد کے بارے میں کیسے عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت (توحید) کے عقیدے کو زندگی کے ہر پہلو میں پیش نظر رکھنا چاہیئے تاکہ اس خالق و رازق کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو۔ توحید کا جو پیغام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ محض ایک فلسفیانہ نظریہ یا جذباتی عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک عملی خاکہ ہے جس کے مطابق حیات انسانی اللہ تعالیٰ کے حضور تسلیم

۱۔ اس قصہ میں کوئی صداقت نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ اور دیگر انبیاء کی قبریں کعبہ کے اس حصہ میں ہیں جسے عام طور پر حجرہ اسماعیل کہا جاتا ہے۔

عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک عملی خاکہ ہے جس کے مطابق حیات انسانی اللہ تعالیٰ کے حضور تسلیم رضا کا ہدیہ پیش کرتی ہے اس کی اہمیت انسان کی تخلیق کے مقصد میں مضمر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت: ۵۶) (میں نے جن وانسان کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے)

تاہم انسان کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی مظہر ہے۔ وہ خالق ہے یعنی وہی ہے جو انسان کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ وہ الرحمٰن ہے (بے حد رحمت کرنے والا ہے) اس نے انسان کو اس دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ وہ الحکیم (سب سے بڑا عاقل) ہے اس نے ایسی تمام چیزوں کو جو انسانوں کے لئے نقصان دہ ہیں حرام ٹھہرایا اور جو مفید ہیں انہیں حلال قرار دیا۔ وہ الغفور (بے حد مغفرت والا) ہے جو شخص اخلاص سے اس کے حضور توبہ کرتا ہے وہ اسے بخشش سے نوازتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لاتا جو (گناہ کرتی) اور اللہ سے استغفار بھی کرتی۔ (مسلم)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات بھی انسان کی تخلیق میں ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو صرف اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے وہ انسان کی عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ انسان عبادت کے ذریعہ اپنی دنیوی اور اخروی صلاحیتوں سے باخبر ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ابدی راحت و مسرت کا سامان کرتا ہے جو اسے اس مختصر حیات فانی کے بعد حاصل ہوگا۔ لہٰذا دین برحق یعنی اسلام، انسان کے عمل کو خواہ وہ دنیوی طور پر کتنا ہی حقیر کیوں نہ دکھائی دے اللہ کے نزدیک عبادت بنا دیتا ہے بشرطیکہ اس میں دو بنیادی باتوں کا لحاظ رکھا جائے۔

۱- یہ اعمال شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں۔

۲- یہ اعمال بہر صورت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونے چاہئیں۔

ایک انسان کی زندگی مکمل طور پر اللہ کی خدمت وعبادت کے لئے وقف ہو سکتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (الانعام:۱۶۲)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔لیکن یہ منزل اسی وقت حاصل کی جاسکتی ہے جب توحید کے اصلی مفہوم و معنی کو پوری طرح سمجھا جائے اور اپنی زندگی میں اسے رو بہ عمل لایا جائے اور اس طریقہ سے اس پر عمل کیا جائے جو پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔

پس ہر مومن صادق کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے تہذیبی خاندانی، قومی یا قبائلی، جذباتی رشتوں اور وابستگیوں سے بے نیاز ہو کر توحید کا صحیح اور عملی علم حاصل کرے۔یہی توحید دین اسلام کی بنیاد ہے اسی کے عرفان اور اس پر عمل کے ذریعہ انسان نجات حاصل کر سکتا ہے۔

☆☆☆

فقہی مسالک کا ارتقا

مصنف

جناب ابوامینہ بلال فلپس

اردو ترجمہ

ابن احمد نقوی

صفحات: 144 قیمت: Rs. 60/-

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Mobile: 9312508762

خلافت و جمہوریت

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

قیمت: -/Rs. 90

ناشر
الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
Mobile: 9312508762

اسلام اور فقہی مکاتب فکر

ایک تحقیقی جائزہ

الشیخ محمد سلطان المعصومیؒ

صفحات: 96 قیمت: -/Rs. 40

ناشر
الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
Mobile: 9312508762

"سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۹ دلآویز پہلوؤں کا شاندار تذکرہ"

رہبر کامل

مولانا عبدالمجید سوہدروی

صفحات: 304 قیمت: Rs. 140/-

ناشر
الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
Mobile: 9312508762

198

سنی بریلویت کیا ہے؟

کیا یہ ہندو دھرم کی نقل ہے یا اسلام

اسلامی اور غیر اسلامی افکار و عقائد کا جائزہ

ابو الاقبال سلفی

صفحات: 576 قیمت: Rs. 220/-

ناشر

ادارہ دعوۃ الاسلام

ملنے کا پتہ:

الکتاب انٹرنیشنل

بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۵
Mobile: 9312508762

”فقہ الحدیث“

اسلامی طرزِ زندگی سے متعلق فقہی احکام ومسائل فقہ کی معروف کتاب ”الدُّر البهية“ کا ترجمہ وتشریح بمعہ تخریج وتحقیق

تحقیق وافادات:
محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

ترتیب وتالیف:
حافظ عمران ایوب لاہوری

قیمت: -/Rs. 700

ناشر
الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
Mobile: 9312508762

THE Fundamentals of Tawheed(Urdu)

(ISLAMIC MONOTHEISM)

